آپ سُنّی ہیں اور امام احمد رضا کو نہیں جانتے؟

تعجّب ہے!!!

(محمد زبیر قادری)

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء ٥ جلد ۹ شمارہ ۴ (۳۴) شعبان المعظم تا شوال المکرم ۱۴۲۴ھ

مدیر : محمد زبیر قادری

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Riza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: **رابطہ کا پتہ:**

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

فون: 5600 8260

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza..net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی ۔ 400008
سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی ۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

XXXXXXXXXXXXXX

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے

سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

سونا پاس ہے سُونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے

تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

امام احمد رضاؔ

اداریہ

قارئین کرام! السلام علیکم

آج میں (مدیر) آپ سے مخاطب ہوں۔ الحمد للہ عزوجل اس وقت سہ ماہی "افکارِ رضا" کے نویں ۹ سال کا چوتھا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی بھی رسالہ کے لیے یہ طویل عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ اس کی ابتدا سے آج تک یہ رسالہ بلا قیمت تقسیم کیا جارہا ہے۔ اور جس مقصد کے تحت اس کا اجراء کیا گیا تھا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کرم سے بہت حد تک ہم اس میں کامیاب رہے۔ ہمارا سب سے اہم مقصد امام احمد رضا کے مادرِ وطن ہندوستان سے ہی اُن پر علمی و تحقیقی رسالہ جاری کرنا اور جاری رکھنا تھا۔ افکارِ رضا، کو ایک رسالہ نہیں ایک تحریک بنانا تھا۔ ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں بے شمار ادارے اور افراد برسوں سے امام احمد رضا کی شخصیت، افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت میں سرگرم ہیں۔ بلکہ امام احمد رضا پر لگائے جانے والے الزامات و اتہامات کی صفائی میں پیش پیش وہیں کے افراد و ادارے نظر آتے ہیں۔ یہاں ہند میں امام احمد رضا سے وابستہ ہر شے ہمارے نزدیک ہے مگر بے حسی و غفلت کا یہ عالم ہے کہ آپ جب اُن پر پی۔ایچ۔ڈی یا ایم۔فل وغیرہ کرنا چاہیں تو کہیں سے آپ کو مدد نہیں ملے گی۔ ہمارے یہاں صرف زبانی دعوے دار ہیں مسلکِ اعلیٰ حضرت کے، عملی طور پر تحقیق و ریسرچ اور اُن کے دفاع میں اس قدر غفلت ہے کہ بمبئی جیسے شہر میں، جہاں سے تقریباً سارے ہندوستان کے مدارس فیض اُٹھاتے ہیں، چند سال قبل ایک تھرڈ کلاس اخبار روزنامہ "ہندوستان" میں امام احمد رضا کے خلاف ایک مضمون شائع ہوا جس میں اعلیٰ حضرت کو شیعہ، قادیانی، انگریزی ایجنٹ وغیرہ کیا کیا نہ کہا گیا، مگر بمبئی تو کیا پورے ہندوستان میں سے کسی کو اس کا جواب دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ کئی ماہ بعد دہلی سے علامہ یٰس اختر مصباحی صاحب نے اس کا جواب بھیجا تب جاکر روزنامہ ہندوستان نے اسے شائع کیا۔

ایسے ماحول میں "افکارِ رضا" کا اجراء اور وہ بھی بلا قیمت اکناف عالم میں اس کی تقسیم و اشاعت آپ سمجھ سکتے ہیں کس قدر دشوار گذار ہوگا۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم اس فیلڈ کے آدمی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے گذشتہ نو سال سے رسالہ مسلسل شائع ہورہا ہے۔ ہاں گذشتہ دو سال سے "افکارِ رضا" تعطل کا شکار ہوگیا ہے۔ سال ۲۰۰۲ء میں چار کی جگہ صرف دو شمارے ہی شائع ہوئے۔ جبکہ سال ۲۰۰۳ء میں چھ چھ ماہ سے یکجا دو۔ دو شمارے شائع کرنا پڑے۔ ایسے عالم میں ہمارے ہزاروں قارئین میں سے کسی ایک نے بھی ہماری اس کوتاہی کی وجہ دریافت نہیں کی۔ کسی عالمِ دین یا کسی مخلص رہبر نے ہمیں اس مشکل سے نجات دلانے کے لیے کوئی راہ نہ سجھائی، کہیں سے کوئی تعاون کے لیے آواز نہ اُبھری۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ "افکارِ رضا" کی تعداد اس قدر ہوجائے کہ دنیا کے تمام قارئین تک

اس کی رسائی ہوجائے اور ہر کوئی اس سے استفادہ کرسکے۔ (اس مقصد کے حصول کے لیے ہم نے اپنی ویب سائٹ www.fikreraza.net پر "افکارِ رضا" پڑھنے کی سہولت فراہم کردی ہے)

آپ نے کبھی غور وفکر کیا کہ یہ "افکارِ رضا" کیا ہے......؟ یہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان' چودھویں صدی کے مجدّد، ولی کامل کے افکار ونظریات کا ترجمان ہے۔ جو کہ ہمارے رہبر اور رہنما گزرے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں، میڈیا کے تیز رفتار دور میں گمراہ کن نظریات کی ترویج و اشاعت اس قدر کثرت سے، سرعت سے کی جارہی ہے کہ صحیح اسلامی شناخت ونظریات کا تحفظ دشوار ترین ہوگیا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے افکار ونظریات سے کل بھی اسلام کا تحفظ کیا تھا اور آج بھی اُن کی فکر تحفظِ ایمان و عقائد میں نہایت اہم رول ادا کرسکتی ہے۔ امام احمد رضا کے افکار ونظریات کی ترویج و اشاعت اصل اسلام کی ترویج و اشاعت ہے۔ اور فکرِ رضا جو سب کا منبع ہے، کے فروغ کے لیے کوشاں رہنا عصر حاضر کا اہم تقاضہ ہے۔ ہمارے یہاں ظاہری تبدیلیوں اور رسومات کے عمل کی خوب ترغیب دی جاتی ہے لیکن فکر ونظر کی پختگی کے لیے کوئی بھی شخصیت، تنظیم و ادارہ کام کرتا نظر نہیں آتا...... آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کوئی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تو اپنے خواص اور اکابر سے یہی شکایت ہے کہ فکر و نظر پر کام کیوں نہیں ہورہا ہے۔ جبکہ آج مسلمانوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے فرقے کسی فردِ واحد (ان کے رہنما) کے گمراہ کن نظریات کو اس قدر فروغ دے رہے ہیں کہ سارے عالم میں نمایاں طور پر نظر آرہے ہیں حالانکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد چند ہزار یا چند لاکھ سے زیادہ نہیں۔ جبکہ امام احمد رضا کے ماننے والے ہر جگہ اکثریت میں (اور کروروں) ہوتے ہوئے بھی کسی بھی فیلڈ میں نمایاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہوا کہ میڈیا پر اغیار کا قبضہ ہے، آپ اپنا میڈیا خود بنایئے اور ایسی فکر پیدا کیجیے کہ آپ کی جماعت کے لوگ اس کے فروغ میں حصہ لیں۔ صرف اسٹیجوں سے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نعرے لگانے سے ذہن سازی نہیں ہوسکتی۔

ہمیں اپنے قارئین اور اکابر حضرات سے یہ شکایت ہے کہ وہ ہمارے کاموں کو پرکھ کر ہماری خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ نہیں کرتے۔ اپنی گراں قدر تحریروں سے ہماری حوصلہ افزائی نہیں کرتے (معدودے چند کو چھوڑ کر جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے) کسی بھی قسم کے تعاون کی اپیل نہیں کرتے۔ بس اکثر خطوط آتے ہیں تو اس طرح کہ "آپ مفت رسالے تقسیم کرتے ہیں میرے نام بھی جاری کردیں۔"

فکرِ رضا کا تحفظ اور اشاعت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اصاغر سے زیادہ اکابر ذمہ دار ہیں۔ اس میں کوتاہی ہونے پر ہمارا ذاتی اور دنیوی نہیں دینی نقصان ہوگا، اُخروی نقصان ہوگا۔ اس لیے سوچیے، اور آج ہی سے عمل پیرا ہوجایئے۔ آپ اللہ کے کام میں لگ جاؤگے تو اللہ بھی آپ کے کام میں لگ جائے گا۔ O

اصول افتاء میں امام احمد رضا کے افادات

از: آل مصطفےٰ مصباحی کٹیہاری
خادم تدریس و افتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی۔ مئو

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی دینی و ملی اور علمی اور فکری خدمات کی اشاعت کا دائرہ جوں جوں بڑھ رہا ہے۔ ان کی حیات کے مختلف اور متنوع گوشے نکھر کر سامنے آرہے ہیں۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ کوئی اسلامی محقق تحقیق و ریسرچ کے لیے جس موضوع کا انتخاب کرتا ہے، سچائی یہ ہے کہ اجمالی یا تفصیل کے ساتھ قابل قدر مواد امام موصوف کی تصنیفات میں انہیں ضرور مل جاتا ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے جب لبنانی تنظیم .... جمعیۃ المشاریع الخیریہ نے شمالی امریکہ کی سمت قبلہ سے متعلق علماء، فقہاء، دانشور اور عصری علوم سے وابستہ حضرات سے استفسار کیا، جس میں جامع ازہر مصر، لبنان، داغستان، یوکرین، لیبیا، انڈیا کے ارباب علم و دانش شامل ہیں۔ تو اس استفسار کے جواب میں جو تحقیقات بشکل فتاویٰ، عربی و انگریزی زبان میں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں۔ وہ اصحاب فکر و نظر خصوصاً عصری علوم کے ماہرین کے لیے ہرگز باعث اطمینان نہ تھیں۔ اور پھر منتہائے امر یہ کہ اس تعلق سے صحیح سمت کا سُراغ امام احمد رضا کے ریاضی افادات سے لگایا گیا جسے ماہنامہ اشرفیہ کے دو شماروں ۱۹۹۸ء میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ...... لیکن میدانِ علم و فن میں بطور خاص علم ''فقہ و فتاویٰ'' اور ''اصول'' سے مجدد موصوف کی جو گہری وابستگی تھی۔ اس کے قابل دید مظاہر اُن کے مجموعہ فتاویٰ اور فقہی کتب و رسائل میں بخوبی دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں، اور یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا، مولیٰ عزوجل کی عطا اور رسول اللہ ﷺ کے طفیل اس عظیم خیر و بھلائی سے متصف تھے جس کا ذکر حدیث پاک میں بایں مفہوم آیا ہے۔

''جس کے ساتھ اللہ عزوجل خیر کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کا فقیہہ بنا دیتا ہے''۔

مجتہدین مطلق ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید و پیروی ملت اسلام کی سچی پیروی ہے۔ تاہم ان میں مجموعی اعتبار سے پوری دنیا میں سب سے بڑی تعداد امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین کی ہے۔

مسلک امام اعظم کے پیروکاروں، نیز اصول یا اصول و فروع دونوں میں ان کی تقلید کرنے والوں

میں ایک سے ایک نابغۂ روزگار اور نادرِ دہر پیدا ہوئے، جن میں قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حامل لوائے حنفیت سیدنا امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کو سب سے زیادہ شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے مسلک امام اعظم کی ترویج میں وہ گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں ہے، ان کے علاوہ امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہما کی خدمات بھی غیر معمولی ہیں۔ فقہاء کے دیگر طبقات و مدارج میں مجتہدین فی المسائل، اصحابِ تخریج، اصحاب ترجیح اور اصحابِ تمیز نے اپنے علم و تفقہ کی روشنی میں فقہ و اصول کو وسعت دینے اور مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ یہ انہیں حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج ''فقہ حنفی'' پوری دنیا میں اپنی جامعیت کا لوہا منوا رہی ہے۔ فقہ حنفی پر خدا کا خاص فضل اور اس کے حبیب ﷺ کا خصوصی فیضان ہے کہ ہر عہد و قرن میں اس کی ترویج و اشاعت کرنے والے اور ان کے محافظین متبحر علماء و فقہاء رونما ہوتے رہے۔

ماضی قریب میں حنفی فقہ و افتاء اور ان کے اصول کو نئی جلا بخشنے والوں میں امام احمد رضا کا نام سر فہرست آتا ہے، جنہوں نے امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مہذب کو اردو اور عربی زبان میں اپنے کتب و رسائل و فتاویٰ و تعلیقات کے ذریعہ ایسا منقح فرمایا کہ آنے والی کئی صدی تک کے لیے مسلک حنفیت کے متبعین کو رسم افتاء اور فقہ و اصول'' کے اکثر ابواب کے حل سے بے نیاز کردیا ''اصول افتاء'' بھی ایک طویل اصول موضوع ہے لیکن ہم یہاں اجمالی و اختصار کے ساتھ امام احمد رضا کے چند افادات کا ذکر کر رہے ہیں۔

افتاء کا معنی: امام احمد رضا نے افتاء کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا ''انما الافتاء ان تعتمد علیٰ شئی و تبین لسائلک ان ھذا حکم الشرع فی ما سئلت'' افتاء کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی چیز پر اعتماد کریں اور سائل کو بتائیں کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس میں شرع کا یہ حکم ہے۔'' حکمِ شرع پر جزم کے متعدد طریقے ہیں۔ جن میں سے ایک طریقہ افتاء کے اصول کو مدنظر رکھنا بھی ہے، اور اسی کا بیان یہاں مقصود ہے، متقدمین فقہاء و اصولیین نے فتویٰ دینے کے لیے درجہ اجتہاد پر فائز ہونا شرط قرار دیا ہے۔ کیوں کہ جب تک فتویٰ دینے والے کو حکم کی دلیل کا علم نہ ہو اُسے فتویٰ دینے کی اجازت نہیں۔ لیکن کیا اس زمانے میں بھی یہ شرط ہے؟ امام احمد رضا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> ''میں کہتا ہوں یہ شرط عصام کے زمانے میں تھی، اب ہمارے زمانے میں صرف امام ابو حنیفہ کے اقوال کو یاد کر لینا کافی ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے، امام کے قول پر فتویٰ دینا حلال بلکہ واجب ہے اگر چہ اس کی دلیل معلوم نہ ہو۔''

(فتاویٰ رضویہ جدید ترجمہ ج ۱/ص ۹۸)

مزید اس کی توضیح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

''فتویٰ کی دو قسمیں ہیں عرفی اور حقیقی، حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے۔ یہی فتویٰ دیا ہے فقیہہ ابوجعفر اور فقیہہ ابواللیث اور ان کے امثال نے۔ عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو اقوال بتادے، وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فتاویٰ ابن نجیم، غزی، طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔'' (اجلی الاعلام ج ا ص ۱۰۹)

بحث و گفتگو کے بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ طبع سلیم جو انصاف سے کہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی کا کام صرف یہ ہے کہ جو ہمارے مشائخ نے لکھا ہے اس کو نقل کردے۔''

(اجلی الاعلام ج ا ص ۱۰۱)

''دلیل شرعی مجتہد کے لیے اصول اربعہ ہیں اور ہمارے لیے قولِ مجتہد صرف ایسی ہی جگہ علماء کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہرگز اس مسئلے کو یونہی نہیں لکھے جاتے کہ حکم یہ ہے، صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذھب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اسی کے ذمہ رہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ۸/ ۴۱۷)

فتویٰ دینا کسے حلال ہے؟: آج کل چند درسی کتابیں پڑھ پڑھا لینے سے بعض لوگ اپنے آپ کو مفتی کہلانے لگتے ہیں، اور بزعم خویش دارالافتاء کے مفتی بن بیٹھتے ہیں، اور بعض کا حال تو یہ ہے کہ حکمِ شرع کی انہیں معلومات ہو یا نہ ہو فتویٰ دینے میں بڑے جری و بے باک ہوتے ہیں۔ آج عملی اعتبار سے قوم کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ حالانکہ فتویٰ دینا تلوار کی دھار پر چلنے کے مرادف ہے۔ حضرت عطا ابن سائب جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے فتویٰ دینے والے بزرگوں کو بچشم خود دیکھا ہے کہ جب وہ فتویٰ دیتے تو ان کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی۔'' امام احمد رضا نے اس سلسلے میں ایک غامض پہلو کی جانب اشارہ فرمایا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''طب کی طرح افتاء بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتا، اس میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے'' ''علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ قدیم ۱۰/ ۲۳۱)

علامہ شامی رحمۃ الباری نے تو "شرح عقود" میں ماہر استاد سے تربیت حاصل کیے بغیر فتوی دینے والے کو جاہل قرار دیا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو سخت سزا تک دینے کی بات کہی ہے۔

فتویٰ کس قول پر دیا جائے؟ : سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قول پر فتوی دینے سے متعلق امام احمد رضا کا ارشاد ہے:

"علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قول امام پر فتوی دے، اور قاضی عموماً مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک نہ ہو، کافی مسئلتی جواز المزارعۃ و تحریم القلیل من المائع المسکر، اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ مذہب اس کے خلاف پر فتوی دیں۔"

(فتاوی رضویہ قدیم ۴۷/۲/۲)

قول امام پر فتوی دینے سے متعلق امام احمد رضا نے ایک مستقل محققانہ رسالہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام" تحریر فرمایا ہے۔ اس میں علامہ ابن شبلی کے فتوی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

"قاضی اور مفتی کو امام کے قول سے انحراف جائز نہیں۔ ہاں اگر مشائخ میں سے کوئی اس امر کی صراحت کر دے کہ فتوی غیر کے قول پر ہے۔ تو اگر کسی مسئلہ میں غیر کا قول راجح نہ ہو اور امام کی دلیل کو غیر کی دلیل پر ترجیح حاصل ہو۔ تو قاضی کو روا نہیں کہ وہ امام کے قول کے علاوہ کسی اور کے قول پر فتوی دے۔"

(رسالہ اجلی الاعلام مترجماً)

ایک دوسری جگہ اپنے فتاوے میں رقم طراز ہیں:

"محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں، اگرچہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتاء کریں"۔

اللهم الا لضعف دليل او تعامل بخلافه مض علىٰ ذالک العلامة زين بن نجيم فى البحر والعلامة خير الدين الرملى فى فتاواه وشيخ الاسلام صاحب الهدايه فى التجنيس والمحقق حيث اطلق فى الفتح والشريف الطحاوى والسيد الشامى فى حواشى الدر وغيرهم من اجلة العلماء الكرام الغر كما

بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ۔"

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۶۷۱)

وقف و قضا کے مسائل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر فتویٰ دیئے جانے سے متعلق مجدد موصوف نے تحریر فرمایا:

"ہاں علماء نے مسائلِ وقف و قضا کی نسبت بے شک فرمایا کہ وہاں غالباً قولِ ثانی پر فتویٰ ہے اس سے ہر وہ امر کہ زیر قضاء آسکے مراد نہیں، تا کہ امثالِ صوم وصلوٰۃ کے سوا نکاح و بیع وہبہ واجارہ و رہن وغیرھا تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے۔"

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۵/۴۷۳)

مختلف اقوال میں ترتیب: کسی مسئلہ میں اگر ائمۂ حنفیہ کے مختلف اقوال ہوں، تو فتویٰ دینے میں ترتیب کیا ہوگی؟ امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمایئے۔

"پہلے قولِ امام، پھر امام یوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر و امام حسن بن زیاد، در مختار میں ہے۔"یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفة علے الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد ھو صح۔"

(فتاویٰ رضویہ جدید ۴/۴۷۳)

رسالہ "اجلی الاعلام" میں شرح العقود کے حوالے سے ہے:

"جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول موجود نہ ہو، تو امام یوسف کے ظاہر قول کو لیا جائیگا، پھر امام محمد کے ظاہر قول کو لیا جائیگا، پھر زفر و حسن وغیرہم کے ظاہر قول کو لیا جائیگا پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد والے کا علی الترتیب۔" (مترجماً)

قولِ امام سے عدول کی صورت: "چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہے۔" (فتاویٰ رضویہ قدیم ۱/۳۸۵)

فتاویٰ رضویہ میں عقود الدریہ کے حوالے سے ہے:

"مفتی کو وہی فتویٰ دینا چاہئے جس میں اس کے نزدیک مصلحت ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۳۷)

فتاویٰ رضویہ ہی میں ہے: ”مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید، لہٰذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علماء کرام انہیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔“ ۳۱

چند اقوال میں وجوہ ترجیحات: (۱) تصحیح کی آکدیۃ (۲) ایک کا متن میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) ایک کا شروح میں ہونا اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا (۴) ایک میں تعلیل کی گئی اور دوسرے میں نہ کی گئی (۵) استحسان ہونا (۶) ظاہر الروایۃ ہونا (۷) وقف کے لیے زائد نفع بخش ہونا (۸) اکثر کا قول ہونا (۹، ۱۰) اہل زمانہ کے حق میں زیادہ مناسب ہونا، یا معقول ہونا۔

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۱/ ۱۶۹)

متون۔ شروح و فتاویٰ پر مقدم ہیں: علماء ارشاد فرماتے ہیں ”عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں، پھر شروح، پھر فتاویٰ، عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاویٰ سب سے مؤخر۔“

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۴/ ۴۷۴)

”متون شروح پر اور شروح فتویٰ پر مقدم ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ قدیم ۴/ ۴۷۵)

ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

”وعندی مثل المتون والشروح والفتاویٰ فی الفقہ مثل الصحاح والسنن والمسانید فی الحدیث“۔ میرے نزدیک فقہ میں متون، شروح اور فتویٰ کا حال وہی ہے جو حدیث میں صحاح، سنن اور مسا کا حال ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ جدید ۴/ ۳۰۸)

اب ہم ذیل میں کتب متون، شروح اور فتاوی کی وہ فہرست پیش کر رہے ہیں۔ جس کی امام احمد رضا نے نشاندہی فرمائی ہے:

کتب متون: ”جیسے مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنز الدقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقی، اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کے لیے لکھی گئی ہیں ــــــــــــــــــ قنیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتویٰ سے زیادہ نہیں، اور میں نے دیکھا کے تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں۔ جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں منصوص مذہب سے متصادم ہیں۔ یہ کتاب الاشباہ فتویٰ کی نقول وابحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتویٰ ہی کا ہے یا شروح کا یہ ذہن نشین رہے اور علماء نے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجود یکہ وہ صورۃً شرح ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ قدیم ۴/ ۲۰۸)

کتب شروح: ''جیسے کتب اصول کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں کتب اصول یہ ہیں:

''جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر اور حاشیۂ بالا میں مذکورہ مختصرات کی شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں اور مبسوط امام سرخسی، بدائع ملک العلماء، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بیانیہ، غایۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیۃ، البحرالرائق، النہر الفائق، درر احکام، در مختار، جامع المضمرات، جوہرہ نیرہ، ایضاح، اور ایسی ہی دیگر کتابیں میرے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیرالدین رملی، در مختار، منحۃ الخالق، اور ایسے ہی حواشی مجتبیٰ جامع الرموز شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں بلکہ سراج وہاج اور شرح مسکین بھی نہیں۔''

کتب فتاویٰ: جیسے خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاویٰ، محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعات، ناطفی، واقعات صدر شہید، نوازل فقیہہ، مجموع النوازل، والوالجیہ، ظہیریہ، عمدہ، کبریٰ، صغریٰ، تتمہ الفتاویٰ، صیرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ،

اور ایسی ہی کتابیں ...... انہیں فتاویٰ میں منیہ بھی ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں، لیکن معروضات تو ان میں جو چھان بین، اور تنقید اور تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کے درجہ میں ہیں، جیسے فتاویٰ خیریہ اور علامہ شامی کی العقود، الدریہ ...... اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان و کرم سے میرے ان فتویٰ کو بھی ان ہی کی مسلک میں منسلک فرمائیگا، کہ اہل کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاویٰ طوری اور فتاویٰ محقق ابن نجیم تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قابل اعتماد نہیں اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم ۴/۲۱۰)

> ''کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولی المعروف برکی نے کتب متداولہ ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اور چلپی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہر نیرا ہوا ...... میں کہتا ہوں بلکہ جوہرہ نیرہ ہے اور وہ کتب معتبرہ سے ہے جیسا کہ اس کی صراحت ردالمحتار میں موجود ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۲/۱۷۴)

فقہا کے کلام میں احاطۂ صور: فقہاء کے کلام میں تمام صورتوں کا احاطہ صراحت کے ساتھ دینا ضروری نہیں۔ فقہاء بعض صورتیں ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان کی مراد تمام صورتیں ہوتی ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

''متون نہ متون جن کی وضع اختصار پر ہے بلکہ شروح میں بھی جن کا کام ہی تفصیل و تکمیل ہے صدہا جگہ احاطۂ صور نہیں ہوتا بعض کی تصریح بعض کی تلویح کہ اشارت، دلالت اقتضاء نحوی سے مفہوم ہوں اور کبھی بعض یکسر مطوی کما لا یخفی علی من خدم کلماتھم وھذا من اعظم وجوہ العمیر فی ادراک الفقہ واللہ المیسر لکل عیسر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جو مصنفین کی عبارات پر کام کرتے ہیں، فقہ کے ادراک میں یہ مشکل مرحلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان فرماتا ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/ ۱۲۳)

مدعی و مدعیٰ علیہ: اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شئ کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاج اثبات ہوگا...... لہٰذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو'' (فتاویٰ رضویہ جدید ۵/ ۵۲۲)

اصول افتاء میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے افادات کے یہ چند نمونے ہیں، جنہیں راقم الحروف نے بعجلت تحریر کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر جلد ہی اس موضوع پر مفصلاً ان کے افادات قلم بند کر کے اہل علم اور ارباب فقہ کی خدمت میں پیش کریگا۔

جن سے امام احمد رضا کے فکر و تفقہ کے مزید جلوے سامنے آئیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

امام احمد رضا اور احترامِ سادات

(امام احمد رضا موومینٹ، بنگلور کرناٹک نے سال 2003ء میں عرسِ رضوی کے موقع پر کُل ہند بین المدارس تحریر سابقہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت پر رکھا گیا۔ جس میں اوّل انعام پانے والے محمد احمد رضا کا بہترین مضمون "**امام احمد رضا اور احترامِ سادات**" ملاحظہ فرمائیں۔)

مرتبہ: محمد احمد رضا بن محمد نعیم برکاتی، قول پیٹ، ہُبلی (کرناٹک)

محبوبِ کائنات حضور رحمۃ العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ سے محبت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ہر اس شخصیت سے محبت کی جائے جن سے محبوب کائنات ﷺ نے محبت فرمائی ہو۔ نیز اہلِ بیتِ اطہار اور ساداتِ کرام کی عزت و تعظیم کرنا بھی محبِ رسول کی علامت ہے کیونکہ انہیں حضور پُر نور ﷺ سے ایک خاص نسبت و اضافت حاصل ہے۔ آلِ رسول ﷺ ہونے کے ناتے ساداتِ کرام تعظیم و توقیر کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ [۱]

ہر دور میں اہلِ محبت نے ساداتِ کرام سے اپنی محبت و عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ بے شک تمام عشاقِ رسول ﷺ کی ساداتِ کرام سے محبت و اُلفت بے مثال اور قابلِ صد ستائش ہے۔ لیکن ان میں امامِ اہلِ محبت و محبِّ سادات امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ساداتِ کرام سے محبت و عقیدت ضرب المثل بن چکی ہے۔ آپ سے اختلاف کرنے والوں کو بھی اعتراف ہے کہ "حقیقی معنیٰ میں آپ شیفتۂ رسول ﷺ تھے۔"

حضرت مولانا سید شاہ اظہار اشرف اشرفی کچھوچھوی فرماتے ہیں۔

"امام احمد رضا یہی نہیں کہ اپنے عہد کے علوم و فنون کے کوہِ ہمالہ تھے بلکہ عشق و محبت کا بحرِ نا پیدا کنار بھی تھے جنہیں اپنے محبوب کی ذات تو ذات اس کے آثار و منسوبات سے بھی والہانہ وارفتگی تھی۔" [۲]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلماء حضرت علامہ مولانا ظفر الدین بہاری رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"علمائے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت، تعظیم سے ہے کہ ہر وہ چیز جس کو حضور اقدس ﷺ سے نسبت و اضافت ہے، اس کی تعظیم و توقیر کرنی چاہئے اور ان میں ساداتِ کرام جزءِ رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں۔ اور اس پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کو پایا۔ اس لیے کہ کسی سید صاحب کو وہ اس کی ذاتی حیثیت و لیاقت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کا جزء ہیں۔ پھر اس

اعتقاد و نظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے، سب درست و بجا ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے قصیدۂ نور میں عرض کرتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا ۳

پیشِ نظر مقالہ میں محبِّ سادات امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ساداتِ کرام سے عقیدت و محبت کی چند جھلکیاں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

احترامِ سادات کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت محب سادات امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں اکثر جگہ احادیثِ رسول ﷺ کو نقل فرما کر اُمتِ مسلمہ کو یہ درس دیا ہے کہ

- اے سُنّی مسلمانو! سادات کا حق پہچانو! ۴
- اے سُنّی مسلمانو! ساداتِ کرام کے ساتھ نیک برتاؤ کرو! ۵
- اے سُنّی مسلمانو! حب سادات کو پہچانو! ۶
- اے سُنّی مسلمانو! سادات کی توہین و تذلیل سے بچو! ۷
- اے سُنّی مسلمانو! جان لو کہ ساداتِ کرام اُمت کے لیے امان ہیں! ۸
- اے سُنّی مسلمانو! سادات کی اصلاح کا طریقہ سیکھو! ۹
- اے سُنّی مسلمانو! فضیلتِ سادات کو جانو! ۱۰
- اے سُنّی مسلمانو! احترامِ سادات بجالاؤ! ۱۱

اس کی تفصیل والدِ محترم کی کتاب "امام احمد رضا اور احترام سادات" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کردار کے آئینے میں:-

اربابِ فکر و نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ فنا فی الرسول اور عشقِ نبیٔ اکرم ﷺ کی اس سرحد کو عبور فرما چکے تھے جہاں محبت، احساسات و تصورات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا ممکن نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ امام احمد رضا خاں، عشقِ رسول ﷺ کے وہ دُرِّ مکنون ہیں، جس کی ضیاء پاشیوں سے دُنیا کے بیشتر گوشوں میں حضور سید عالم ﷺ سے محبت و وارفتگی کا لوگوں نے سلیقہ پایا۔

یوں تو آپ کے نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کے ہر ہر شعر میں محسنِ انسانیت ﷺ سے والہانہ عشق و عقیدت کا سمندر موجزن اور جذبات و احساسات کا ایک جہان آباد ہے مگر کردار و عمل کی روشنی میں دیکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ امام موصوف کا مقام اس سے بھی بلند ہے۔

جس طرح عاشقِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا

کردار ایک مثالی کردار ہے اسی طرح خادمِ آل و اولادِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی نسبت سے بھی اعلیٰ حضرت کا کردار مثالی ہے اور ایسا مثالی کہ جسے اپنے تو اپنے، غیر بھی تسلیم کرتے ہیں ۔

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر
حضرت آلِ رسولِ مقتداء کے واسطے ۱۲

خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلماء حضرت علامہ مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب نے کسی مراد کے لیے حضور (اعلیٰ حضرت) کے فرمانے پر حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ شریف (نذر) مانا تھا۔ جب ان کی مراد حاصل ہوئی تو وہ توشہ تیار کرا کے آستانۂ عالیہ ہی پر حضور (اعلیٰ حضرت) سے فاتحہ دلانے کے لیے لے آئے۔ الغرض بعد فاتحہ دسترخوان بچھایا گیا اور ہر ایک کے سامنے تشتریوں میں حلوہ رکھا گیا اور سب نے بسم اللہ شریف پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ جب سب لوگ کھا چکے تو فرمایا: ابھی ہاتھ نہ دھوئے جائیں بلکہ صف بستہ روبہ عراق ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایئے۔ حاضرین، صفیں درست کرنے لگے۔ فرمایا: جس قدر ساداتِ کرام ہیں، وہ صفِ اوّل میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ خود بھی پیچھے کھڑے ہوئے ۱۳

سبحان اللہ! کیا ادب ہے اور کیا احترامِ سادات ہے۔ امامِ عشق و محبت کا یہی ایک عمل ہماری اصلاح کے لیے کافی ہے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ بعد نمازِ جمعہ حضور (سیدنا اعلیٰ حضرت) پھاٹک میں تشریف فرما ہیں اور حاضرین کا مجمع ہے کہ شیخ امام علی صاحب قادری رضوی مالکِ ہوٹل آئس کریم بمبئی کے برادرِ خورد مولوی نور محمد صاحب کی آواز جو بسلسلۂ تعلیم مقیمِ آستانہ تھے، باہر سے قناعت علی، قناعت علی پکارنے کی گوش گزار ہوئی۔ انہیں فوراً طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو! کبھی آپ نے مجھے بھی نام لیتے ہوئے سنا؟ مولوی نور محمد صاحب نے ندامت سے نظر نیچی کر لی، فرمایا: تشریف لے جایئے اور آئندہ سے اس کا لحاظ رکھیے، ۱۴

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحب زادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سید زادے ہیں۔ لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرما دی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں۔ کھانا وغیرہ اور جس شئے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے۔ جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطورِ نذرانہ پیش ہوتا رہے۔ چنانچہ حسبُ الارشاد تعمیل ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔ ۱۵

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک سید صاحب کو محلے میں آباد کرایا تھا۔ ایک دن ان کا تین چار سال

کا بچہ کھیلتے کھیلتے بچوں کے ساتھ دروازے کے سامنے آیا اور تین بار آیا۔ اعلیٰ حضرت تینوں بار تعظیماً کھڑے ہوگئے تو ان کے ماموں زاد بھائی شاہد یار خان صاحب بہت وجیہہ اور ایسی پیاری رعب داب والی صورت والے تھے کہ بچے تو کیا بڑے بھی ان کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ وہ اُٹھ کر دروازے پر جا کھڑے ہوئے تو سارے بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے روکر فرمایا کہ اے بھئی! کیا آپ نے سید زادے صاحب کو دروازے سے ہٹا دیا' ہائے میں قیامت میں حضور اکرم ﷺ کے قدمِ مبارک کیسے چوم سکوں گا[۱۶]

سبحان اللہ! کیا ادب ہے اور کیا احترام سادات! ان واقعات سے اس بات کا بخوبی اندازا ہوتا ہے کہ امامِ عشق و محبت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ساداتِ کرام کے احترام میں کبھی کسی طرح کے قدو قامت، سن و سال، امیر و غریب، عالم و جاہل، نیک و بد اور بچہ و بوڑھا کا امتیاز رکھ کر حسنِ سلوک نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ رشتۂ خون کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر سید زادے کے ساتھ نیاز مندی سے پیش آئے۔ حتیٰ کہ اولادِ سادات سے بھی آپ کی محبت و عقیدت اور احترام قابلِ رشک ہے۔ جس کے ثبوت میں اسی قسم کے مزید واقعات آپ کتاب "حیاتِ اعلیٰ حضرت" (مظہر المناقب) اور والد محترم (محمد نعیم برکاتی) کی کتاب "امام احمد رضا اور احترام سادات" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

امام احمد رضا اور ساداتِ مارہرہ مطہرہ :-

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو اپنے مشائخ ساداتِ مارہرہ مطہرہ سے بھی انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ صاحبزادہ سید محمد امین میاں برکاتی قبلہ مدظلہٗ العالیہ فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اپنے مرشدانِ عظام کا اِس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہِ برکاتیہ تک برہنہ پا پیدل تشریف لاتے تھے اور مارہرہ سے جب حجام خط یا پیام لے کر بریلی جاتا تو "حجام شریف" فرماتے اور اس کے لیے کھانے کا خوان اپنے سرِ اقدس پر رکھ کر لایا کرتے تھے۔[۱۷]

امام احمد رضا اور ساداتِ کچھوچھہ مقدسہ :-

امامِ عشق و محبت، محبِ سادات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو ساداتِ کچھوچھہ مقدسہ سے بھی کافی اُنسیت تھی۔ اور یہ اُنسیت و عقیدت ہی کا اظہار ہے کہ آپ نے اپنے خلفِ اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کو اِس سلسلہ میں داخل فرمایا اور حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے خلافت دلائی۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کچھوچھہ شریف کے مولانا سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی علیہ

الرحمہ کو خاص طور پر بریلی شریف بلوا کر اپنی روحانی و نورانی محافل کی رونق میں اضافہ فرماتے اور جب مولانا موصوف تقریر فرماتے اور جتنی دیر تقریر فرماتے، اتنی دیر اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر تقریر سماعت فرماتے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے کہ ان کی تقریر کے دوران مجھے سرکار مدینہ علیہ السلام کے دربار میں کھل کر حاضری نصیب ہوتی ہے۔ مزید فرماتے کہ حضرت مولانا سید احمد اشرف اشرفی علیہ الرحمہ صحیح النسب آل رسول اور فنا فی الرسول ہیں لہٰذا اپنے نانا کی تعریف جس قدر ان کے منہ سے اچھی لگتی ہے اور صحیح تعریف ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتی۔ ۱۸

ایک روز حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف قبلہ کچھوچھوی تشریف لائے ہوئے تھے۔ رخصت کے وقت انہوں نے عرض کیا کہ مولوی سید محمد قبلہ اشرفی (حضور محدثِ اعظم ہند) اپنے بھانجے کو میں چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کردوں۔ حضور جو مناسب خیال فرمائیں ان سے کام لیں۔ ارشاد ہوا: ضرور تشریف لائیں، یہاں فتوے لکھیں اور مدرسہ میں درس دیں۔ الخ۔ پھر فرمایا۔

سید محمد اشرفی قبلہ تو میرے شاہزادے ہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ انہی کے جدِ امجد یعنی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ و عطیہ ہے۔ ۱۹

حضرت مولانا ابو محمود محمد (بنارس) قدس سرہ نقل فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بھی آپ کو سید ہونے کی وجہ سے بہت محترم جانتے اور بڑے ادب سے پیش آتے، یہاں تک کہ ہاتھ چومتے۔ ۲۰

ماہ شوال ۱۳۷۹ھ کو ناگپور میں ہونے والے ایک جلسۂ جشنِ یوم ولادتِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے خطبۂ صدارت میں حضور محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

میں کار افتاء کے لیے جب بریلی حاضر ہوا اور جمعہ کا دن آیا تو میں مسجد میں سب سے پہلی صف میں تھا نماز ہوگئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ میں بریلی کے لیے بالکل نیا شخص تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت خود کھڑے ہوگئے اور بابِ مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلےٰ سے اُٹھ کر صفِ آخر میں آ کر مجھ کو مصافحہ سے نوازا، اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ ۲۱

امام احمد رضا اور طریقۂ اصلاحِ سادات:-

خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلماء حضرت علامہ مولانا ظفرالدین بہاری رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

امام احمد رضا اپنے مرکزِ عقیدت مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہیں۔ وہاں اپنے ایک معزز شاہزادے کی اُنگلی میں سونے کی انگوٹھی ملاحظہ فرمائی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جذبہ جگ اُٹھا مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا خیال بھی دامن گیر رہا۔ چنانچہ مؤدبانہ عرض کیا: حضور آپ یحییٰ بن یحییٰ، کریم بن کریم ہیں۔

بھیکاریوں اور سائلوں کو مایوس نہ کرنا آپ کا موروثی کردار ہے۔ حضور کی انگوٹھی مجھے پسند آ گئی ہے، سرکار آپ اسے مجھے عطا فرمادیں۔ شاہزادۂ ذیشان نے مسکراتے ہوئے وہ انگوٹھی اعلیٰ حضرت کو پیش کر دی۔ اسی دن اس امامِ وقت نے شرعی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کرائی اور پھر اس شاہزادۂ والا تبار کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا کہ حضور! جہاں آپ کے گھرانے کی کرم نوازیوں کا ایک رُخ یہ ہے کہ آپ سائلوں کو محروم نہیں فرماتے وہیں نوازشات کا یہ رُخ بھی بے حد تابناک ہے کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کے تحائف و ہدایا کو قبول فرما کر انہیں سُرخرو و سرفراز بھی فرماتے ہیں اور ان کی دل جوئی اور دل دہی کا پورا خیال فرماتے ہیں۔ تو یہ آپ کا ادنیٰ غلام بھی دو حقیر تحفے لے کر حاضر ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے پہلے چاندی کی نگوٹھی آگے بڑھائی اور عرض کیا کہ اسے حضور پہن لیں اور پھر وہی سونے والی انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ حضور اسے میری طرف سے مخدومہ صاحبہ کی خدمت میں پیش فرمادیں۔ اس دن سے آخری حیات کے لمحے تک اس شہزادے کی اُنگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی نہیں گئی۔ امام احمد رضا کا فریضۂ اصلاح بھی ادا ہوگیا اور ادب و تہذیب کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی۔ ۲۲

کتاب ''فیضان سنت'' میں اس طرح تحریر ہے۔

''بعد میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اُس انگوٹھی کے وزن سے کچھ زیادہ وزن کے سونے کا زیور بنوا کر اُن سید صاحب کی زوجۂ محترمہ کے لیے بھجوا دیا۔ اور ساتھ ہی تحریری طور پر شریعت کا حکم بھی پہنچا دیا کہ سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے حرام ہے اور سونے کے زیورات کی صرف عورت حقدار ہے۔ ۲۳

انہی شہزادے کے سیٹنگ روم میں ایک بار اعلیٰ حضرت کا داخلہ ہوا۔ آپ کے ساتھ آپ کے پوتے حضور مفسرِ اعظم ہند بھی تھے۔ اس وقت حضور مفسرِ اعظم ہند کے بچپنے کا عالم تھا۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھا کہ کمرے کے ہر چہار طرف دیواروں پر جانداروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ حضور مفسر اعظم دیواروں کو بغور دیکھنے لگے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے شاہزادے سے عرض کیا کہ حضور یہ بچہ ان تصویروں کو بغور دیکھ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ تصویریں اس کو پسند آ گئی ہوں۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں اُتار لوں۔ فرمایا: مولانا آپ بخوشی اُتار لیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان تصویروں کو فوراً اُتار لیا اور باہر لے جا کر ضائع کرادیا اور پھر بہترین آستانوں، قرآنی آیات، ارشاداتِ رسول اور مناظر قدرت کے کتبے تیار کرا کے اس شہزادے کی عدم موجودگی میں ان کے کمرے میں لگوا دیا۔ جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئے اور یہ منظر دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا کہ یہ ہمارے مولانا کی اصلاح ہے کہ کبھی بھی ان کے کمرے میں جاندار کی تصویر کا گزر نہیں ہوا۔ ۲۴

دیکھئے یہاں بھی وہی انداز ہے کہ اصلاح بھی ہوگئی اور سنتِ رسول کا پاس و لحاظ بھی باقی رہا۔

آیئے! امامِ عشق و محبت کا سید صاحب کی اصلاح کا ایک اور نرالہ انداز ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بار ایک بہت بڑا افسر جو داڑھی منڈا اور انگریزی لباس میں ملبوس تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ کے شہزادے حضرت حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے اُس کا تعارف کرانا شروع کیا کہ یہ کوتوال صاحب ہیں، ان کا یہ نام ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے تحریری کام میں مشغول تھے، خاص توجہ نہ فرما رہے تھے۔ پھر حسنین میاں نے یہ کہا کہ یہ سید صاحب بھی ہیں۔ عاشقِ رسول (ﷺ) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جب لفظ "سید صاحب" سنا تو چونک پڑے اور فوراً متوجہ ہوگئے اور پھر نہایت ہی ادب کے ساتھ اس طرح گفتگو شروع فرمائی۔

سرکار! آپ کے محکمۂ پولیس میں آپ کے اُوپر بھی ضرور کچھ افسران ہونگے ہی۔ تو یہ ارشاد فرمایئے کہ اُن افسران کی طرف سے جب کوئی ڈاکیہ (پوسٹ مین) آپ کو ان کا کوئی پیغام پہنچاتا ہے تو آپ اسے قبول فرماتے ہیں یا نہیں؟ اُس نے عرض کیا: عالیجاہ! کیوں نہیں، بڑے افسر جو ہوئے، ان کی حکم عدولی ہم کر ہی نہیں سکتے۔ امام اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے پھر نہایت ہی عاجزی اور نرمی کے ساتھ اور نہایت دلنشیں پیرائے میں ارشاد فرمایا۔

سرکار! آپ کے نانا جان، رحمتِ عالمیان ﷺ کہ جو تمام نبیوں کے بھی افسر ہیں اُن کے دربار گہر بار کے ایک انتہائی ادنیٰ ڈاکیہ کی حیثیت سے میں تمام کائنات کے افسر اور اللہ عزوجل کی تمام مخلوق کے سرور ﷺ کا پیغام آپ کی خدمت میں پہنچانے کی جسارت کر رہا ہوں۔ حضور والا، آپ کے نانا جان ﷺ کا پیغام یہ ہے کہ "مونچھیں پست کرو، داڑھی بڑھاؤ اور آتش پرستوں کی مخالفت کرو۔"

پولیس افسر کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے اور مبلغِ اعظم امامِ معظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی طرح لباس وغیرہ کی سنتیں بھی بیان فرماتے رہے۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد وہ پولیس افسر پھر جب امامِ اہلسنّت علیہ الرحمہ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا اور اب ماشاء اللہ اُس کا چہرہ پیارے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی پیاری پیاری سنت سے جگ مگ، جگ مگ، کر رہا تھا۔ ۲۵

اس واقعہ کو نقل فرمانے کے بعد امیرِ دعوتِ اسلامی مولانا محمد الیاس قادری مدظلہ العالی فرماتے ہیں۔

پیارے اِسلامی بھائیو! نیکی کی دعوت دینے کا کتنا پیارا اور مؤثر انداز ہمارے پیارے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اللہ! اللہ!! (عزوجل) آپ ساداتِ کرام کی کس قدر تعظیم فرماتے تھے۔ سچ ہے، جس سے بھی محبت ہوتی ہے اُس سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے محبت ہو جاتی ہے۔ چونکہ ساداتِ کرام، سرکارِ مدینہ سُرورِ سینہ ﷺ کی اولاد ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کا احترام کرنا ہی چاہیے۔ ان شہزادوں میں سے کسی سے بالفرض

اگر کوئی خطاء بھی سرزد ہو جائے تو اس بنا پر ہرگز ہرگز کسی سید زادے سے کراہیت نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اس فعل بد کو ضرور دل میں بُرا جانیں اور احسن طریقے سے اس کی اصلاح کی کوشش بھی کریں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سادات کرام کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اگر قاضی کسی جرم کی پاداش میں اگر کسی سید زادے پر حد شرعی جاری کرے (یعنی سزادے) بھی تو اُس وقت یہ نیت کرے کہ ''شہزادے کے پاؤں میں کیچڑ لگ گیا ہے، میں اُسے دھو رہا ہوں'' ۲۶

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محبّ سادات علیہ الرحمہ کا ایک اور سید صاحب کی اصلاح کا ایمان افروز واقعہ آپ ہی کے ملفوظات شریفہ سے ملاحظہ ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ایک صاحب سادات کرام سے اکثر میرے پاس تشریف لاتے اور غربت و افلاس کے شاکی رہتے (یعنی اپنی غربت و افلاس کا رونا روتے رہتے) ایک مرتبہ بہت پریشان آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ جس عورت کو باپ نے طلاق دے دی ہو، کیا وہ بیٹے کو حلال ہو سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: حضرت امیر المومنین سیدنا مولانا علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے جن کی آپ اولاد میں ہیں، تنہائی میں اپنے چہرۂ مبارکہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ''اے دنیا کسی اور کو دھوکہ دے، میں نے تجھے وہ طلاق دی جس میں کبھی رجعت نہیں۔'' پھر سادات کرام کا افلاس کیا تعجب کی بات ہے! سید صاحب نے فرمایا:- واللہ (عزوجل) میری تسکین ہوگئی۔ اس روز سے کبھی شاکی نہیں ہوئے'' ۲۷

سبحان اللہ! کیا عمدہ طریقہ ہے سمجھانے کا۔ اعلیٰ حضرت پر ہزار بار رحمتیں نازل ہوں، کتنے پیارے انداز سے سید صاحب کی پریشانی دور فرمادی۔

احترام سادات فرمودات اعلیٰ حضرت کی روشنی میں:-

امامِ عشق و محبت نے اپنے قول و عمل سے اِس بات کا ثبوت پیش کیا ہے کہ ساداتِ کرام لائق صد احترام و واجب التعظیم ہیں۔ حتیٰ کہ ''احترامِ سید'' کے سلسلے میں یہاں تک آپ علیہ الرحمہ کا فرمان ہے کہ ''سید سے جب تک کفر وارتداد صادر نہ ہو، اس کی تعظیم کی جائے''۔ ۲۸

نیز ایک اور جگہ امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے یوں ارشاد فرمایا:

''سُنّی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے''۔ ۲۹

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں ابوالشیخ ابن حیان بیہقی شریف کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ یوں نقل فرمائی ہے۔

امیر المومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص میری اولاد و انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں ایک سے خالی نہیں۔ یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔'' ۳۰

ایک اور جگہ محبّ سادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''سید سُنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے، نفسِ اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی۔ ہاں اگر اس کی بد مذہبی حدِ کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت، وہی نہ رہی۔ شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے مگر یہ فضل ذاتی ہے۔ فضلِ نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے، سادات کرام کی انتہائی نسب حضور سید عالم ﷺ پر ہے، اس افضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں، حضور اقدس ﷺ کی تعظیم ہے ۳۱

حضرت مولانا سید شاہ اظہار اشرفی کچھوچھوی فرماتے ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس ایک سید صاحب آیا کرتے تھے۔ مولانائے محترم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے انہیں اپنی مسند پر بٹھاتے اور جب وہ جانا چاہتے جب بھی پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دروازے تک پہنچاتے۔ حضرت حجۃ الاسلام کا ان کے تعلق سے ہمیشہ یہی دستور رہا۔ مگر چونکہ وہ سید صاحب داڑھی منڈانے کے عادی تھے اس لیے کسی نے استفتاء کر لیا کہ ''ایک فاسق کی تعظیم کیسی ہے؟''۔ اس سوال کے جواب میں برجستہ حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے زیر تربیت رہنے والے مفتی سے کہا کہ لکھ دو کہ ''اگر وہ سید ہے تو اس کی تعظیم واجب ہے۔ تعظیم نسبت کی، کی جاتی ہے اور نسبت کبھی فاسق نہیں ہوتی ۳۲

حضرت مولانا سید شاہ اظہار اشرف کچھوچھوی آگے ارشاد فرماتے ہیں:-

''کس قدر عشق برس رہا ہے اس جواب سے۔ فقہی کتابیں اس جواب سے خالی ہیں، اسی لیے میں اس کو الہامی جواب سمجھتا ہوں۔ ۳۳

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو سادات میں کیوں نہیں پیدا فرمایا؟

مخدوم الاولیاء حضور سید العلماء یادگار مشائخ مارہرہ مطہرہ حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ سید آل مصطفیٰ صاحب مارہروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''میں نے اس بات پر بہت ہی غور کیا کہ حضور اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین و ملت قدس سرہٗ العزیز ہر فضیلت و کرامت کے حامل تھے اور ان کی ذاتِ بابرکات، مظہر ذات و صفاتِ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ

والتسلیمات تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پٹھان قوم میں کیوں پیدا فرمایا؟ سادات میں کیوں نہیں پیدا فرمایا؟ تو سمجھ میں یہ آیا کہ اگر وہ سید ہوتے اور سید ہو کر سیدوں کا ادب و احترام اس شان وبان سے فرماتے اور ان کی تعظیم و توقیر کا خطبہ اس طرح پڑھتے (جس کا ثبوت انہوں نے اپنے قول و عمل سے دیا ہے) تو منافقین یہ کہہ سکتے تھے کہ میاں اپنے منہ اپنی تعریف کر رہے ہیں اور اپنی تعظیم و توقیر کروانے کی غرض سے یہ طریقے اپنا رہے ہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ جل وعلاء کی یہ حکمت ظاہر ہوئی کہ سادات میں ان کو پیدا نہ فرما کر اعدائے دین کا روزِ قیامت تک کے لیے منہ بند فرما دیا۔ اعلیٰ حضرت نے جس شان و بان سے سیدوں کا ادب و احترام فرمایا اور ساداتِ کرام کی تعظیم و توقیر کر کے اُمت کو دکھایا، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ۳۴

وما علینا الا البلاغ المبین.

ماٰخذ و مراجع

۱۔ الشرف المؤبد لآل محمد ﷺ از: علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ ماہنامہ حجاز جدید، دہلی "مفتیٔ اعظم نمبر" شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء صفحہ نمبر ۵۸۔

۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۰۱۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۲۳، فتاویٰ رضویہ جلد نہم صفحہ نمبر ۲۲۔

۵۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۳۹۴۔ اراۃ الادب لفاضل النسب صفحہ نمبر ۳۶۔

۶۔ اراۃ الادب لفاضل النسب صفحہ نمبر ۲۷۔ ۴۵۔ ۴۷۔

۷۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر صفحہ نمبر ۱۳۱۔

۸۔ الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء صفحہ نمبر ۷۹۔

۹۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۰۸۔ مطبوعہ لاہور۔

فیضانِ سنت صفحہ نمبر ۳۵۱ تا ۳۵۴۔ اراۃ الادب لفاضل النسب صفحہ نمبر ۳۷۔

العلم الظاہر فی نفع نسب الطاہر صفحہ نمبر ۵۔ الملفوظ حصہ اول صفحہ ۷۱۔ ۷۲

۱۰۔ اراۃ الادب لفاضل النسب صفحہ نمبر ۳۷۔ ۳۸۔

۱۱۔ اراۃ الادب لفاضل النسب صفحہ نمبر ۲۰۔ ۳۸۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۰۱ تا ۲۰۸۔
معارف رضا، کراچی شمارہ ۳ ۱۹۸۳ء صفحہ نمبر ۳۰۳۔ امام احمد رضا اور احترامِ سادات از۔ محمد نعیم برکاتی۔

۱۲۔ حدائقِ بخشش حصہ دوم۔

۱۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) حصہ اوّل صفحہ نمبر ۲۰۲، ۲۰۳۔

۱۴؎ ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۴۔

۱۵؎ ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۱۔

۱۶؎ جہانِ رضا از: محمد مرید احمد چشتی صفحہ نمبر ۱۵۱۔ (مطبوعہ لاہور)۔

۱۷؎ ''خانوادۂ برکاتیہ کا روحانی فرزند'' مقالہ از: سید محمد امین میاں برکاتی۔

۱۸؎ ''امام احمد رضا محدث بریلوی اور سید محمد محدث کچھوچھوی'' مقالہ از: مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری مشمولہ ماہنامہ آستانہ، کراچی ''محدث اعظم نمبر۲''۔

۱۹؎ الملفوظ حصہ اوّل صفحہ نمبر ۸۴ تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۳۲۲۔ ماہنامہ الرضا، بریلی جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲۰، ماہ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ۔

۲۰؎ تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت صفحہ ۳۲۳ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رامپور شمارہ: ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء۔

۲۱؎ مقامِ مجددِ اعظم از محدثِ اعظم ہندو برہانِ ملت صفحہ نمبر ۳۲۔ خطبات علمائے اہل سنت حصہ اوّل۔

۲۲؎ حیات اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۰۸ مطبوعہ لاہور۔

۲۳؎ فیضانِ سنت صفحہ ۳۵۱۔

۲۴؎ امام احمد رضا اور احترام سادات از: محمد نعیم برکاتی صفحہ نمبر ۱۲۵۔

۲۵؎ فیضانِ سنت صفحہ نمبر ۳۵۳۔

۲۶؎ الملفوظ۔ فیضانِ سنت صفحہ ۳۵۴۔

۲۷؎ الملفوظ حصہ اوّل صفحہ نمبر ۱۷۔ فیضانِ سنت صفحہ نمبر ۳۵۲۔

۲۸؎ فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف آخر صفحہ نمبر ۱۶۶۔۱۷۳۔

۲۹؎ فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف آخر صفحہ نمبر ۱۳۱۔

۳۰؎ فتاوٰی رضویہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۲۳۔ فتاوٰی رضویہ جلد نہم صفحہ ۲۲۔ فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف آخر صفحہ نمبر ۱۳۱۔ ۱۶۶۔

۳۱؎ فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف آخر صفحہ نمبر ۱۷۳۔

۳۲؎ ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ''مفتیٔ اعظم نمبر'' شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء صفحہ نمبر ۵۹۔

۳۳؎ ایضاً صفحہ نمبر ۶۰۔

۳۴؎ تجلیاتِ امام احمد رضا۔ از: مولانا امانت رسول قادری صفحہ نمبر ۸۱۔

☆☆☆☆☆
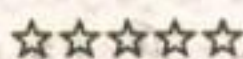
"مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" - فاضل بریلوی

از: ادیب شہیر سیّد محمد فاروق القادری، پاکستان

نہ سنتے جو تم غیروں کی زبانی
بہت دلچسپ تھی میری کہانی

قارئین یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمان عوام کی اکثریت شروع سے مشائخ و صوفیا کی عقیدت مند اور مسلکِ صوفیا صافیہ پر قائم و دائم ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز تک سواد اعظم کا یہ دھارا فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق بلا اختلاف اپنی اصلی اور حقیقی لائن پر چلتا اور بہتا رہا۔ سوء اتفاق سے اسی خاندان کے ایک فرد نے اپنے بزرگوں کے بعد بالکل ایک نئی اور انوکھی تعبیر کو اپنی دعوت کا عنوان بنایا اور شدت سے اس پر اصرار کیا تو جس طرح ہر تحریک کو لوگ مل جاتے ہیں اس فکر کو بھی ہم خیال لوگ میسر آنے لگے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ فکر اور انداز کچھ عرصہ قبل نجد و حجاز سے انتہائی شدت اور جارحیت کے ساتھ اپنا آغاز کر چکا تھا۔ اس دعوت اور فکر کا سارا مسالہ اسلام کے پیغامِ رحمت و رافت اور ادب و نیاز کے برعکس درشتی، گستاخی، بے احتیاطی اور بات بات پر مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے کر ان کے جان و مال کو مباح قرار دینے پر مبنی تھا۔ برصغیر میں اس کی ابتدا بھی دراصل اسی کی صدائے بازگشت تھی۔

اسے حسن اتفاق کہنا اور سمجھنا چاہیے کہ قدرت نے اپنی فیاضی سے فاضل بریلوی ایسی قد آور علمی روحانی شخصیت کو پیدا کر دیا جو اس اعتزالی، انحرافی فکر کے خلاف سینہ سپر ہو کر میدانِ عمل میں آگئی اور اس نے بظاہر خوشنما مگر بہ باطن تباہ کن یلغار کے سامنے سدِّ سکندری باندھ دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علمی قد و قامت، صدری قوت، جوشِ ایمانی اور عشقِ نبوی ﷺ کی دولت سے سرشاری میں صدیوں پر بھاری شخصیت تھے وہ بلاشبہ عربی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

لہ ہمم لا منتھی لکبارھا
وھمۃ الصغریٰ اجل من الدھر

حاشا وکلا۔ کیا فاضل بریلوی نے کسی نئے فکر یا تحریک یا پارٹی کی بنیاد رکھی؟ کسی نئی پارٹی یا جماعت کو بے سرو سامانی کے باوجود اس قدر ہمہ گیر مقبولیت ممکن ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برصغیر میں تقویۃ

الایمان کی گستاخ رسالت عبارات اور صراط مستقیم اور براہین قاطعہ وغیرہ کی جگر پاش عبارات سے مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے تھے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اثر ابن عباس کے مسئلہ پر ایک چھوٹا سا ٹولہ جمہور مسلمانوں سے الگ ہو گیا تھا، اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ۱۲۴۶ھ شاہی مسجد دہلی کے تاریخی مباحثے میں بدایوں، خیر آباد اور دہلی کے سارے علماء ایک طرف اور چند مولوی صاحبان دوسری طرف تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے امتناع النظیر اور ابطال الطغوی ایسی کتابیں یہیں لکھی تھیں!

اصل حقیقت یہ ہے کہ سواد اعظم کو جونہی اپنے عقائد و معمولات کی تائید و حمایت اور اسے نئے، اوپرے اور اجنبی نظریات سے بچانے کے لیے ایک انتہائی پر جوش، ہر قسم کی صلاحیت سے بہرہ ور اور حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل وکیل میسر آیا تو پورے برصغیر کے مسلمانوں نے اسے سر پر بٹھایا، آنکھوں میں جگہ دی۔ کوئی شک نہیں کہ فاضل بریلوی عملی، علمی اور روحانی حوالہ سے کسی طرح بھی نامور اسلاف سے کم نہ تھے۔ مگر اس موڑ پر یہ اعزاز اور انفراد انہیں اور صرف انہیں عطا ہوا کہ برصغیر کے عوام و خواص اور تمام علمی و روحانی خانوادوں کے نزدیک وہ اہل سنت کا نشان، علم اور علامت قرار دیے گئے۔

مخالفین کا پینترا بدلنا:

برصغیر کا پورا مسلم معاشرہ اپنے پاؤں پر کھڑا رہا۔ انہیں یہ در آمد شدہ نظریات ہلا بھی نہ سکے، تو مخالفین نے انتہائی ہوشیاری اور منصوبہ بندی سے اپنا پینترا بدلا۔ اب صوفیا و مشائخ کے معمولات و معتقدات پر شدید الزامات لگانے والے خود مشائخ بن بیٹھے اور انہوں نے کشف و کرامات، ورد و وظائف، من گھڑت حکایات اور غلط بخشی کے طور پر القاب و خطابات میں اہل سنت (ان کے بقول بریلویوں) کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو سب کے مرشد ہیں صرف شیخ العرب والعجم ہیں جب کہ قطب عالم، قطب ارشاد، حکیم الامت، امام الہدیٰ، قاسم العلوم والخیرات، زندہ ولی وغیرہ ایسے سینکڑوں القاب ان لوگوں کو دیے گئے جو دورِ حاضر کے لوگ تھے اور جو اپنے معتقدین کو عمر بھر یہی درس دیتے رہے کہ غوث اعظم، داتا صاحب، گنج شکر، غریب نواز ایسے القاب نعوذ باللہ غیر اسلامی ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے بعد اپنے شیخ، اپنے مرشد، اپنے غوث، اپنے قطب بنا کر ان کی تعریف و توصیف اور مبالغہ آمیز کرامات و حکایات پر مبنی سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو اتنی اہمیت کیوں نہ دی گئی؟ آخر "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایسا بڑا جرم بھی تو ان سے صادر ہوا تھا؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کیا جرم تھا کہ سید سلیمان ندوی نے یہاں تک فرما دیا کہ شاہ صاحب کا مطالعہ احتیاط سے کرنا چاہیے کہیں کہیں وہ کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ یہی جرم تھا نا کہ انہوں نے انفاس

العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین وغیرہ لکھ کر وہی جرم کیا تھا جس کی تجدید بعد میں فاضل بریلوی نے کی۔ یوں مخالفین نے اپنی مقصد بر آری کے لیے انتہائی باریک بینی اور ژرف نگاہی کے بعد اپنا پینترا بدلا۔ اگر چہ انہیں دوہرے معیار سے کام لینا پڑا۔

انتہائی کرب اور صدمے کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر مخالفین نے دوہرا معیار اپنایا تو خود اہل سنت کے علما و مشائخ نے تہرا معیار اختیار کر لیا۔ ان کرم فرماؤں نے فاضل بریلوی کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر ان کی روح آج بھی فریاد کر رہی ہے کہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

یہ سوچنے کی کسی نے زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ اگر آج تک فاضل بریلوی پر ضعیف الاعتقادی، بدعات اور نعوذ باللہ غلط عقائد کے کوسنے دیئے جا رہے ہیں تو اس کا باعث خود فاضل بریلوی نہیں بلکہ یہی ہمارے بعض علما اور جاہل پیروں کا وہ گروہ ہے جو شریعت و سنت کی بالادستی، علم و فضل اور تفقہ و تدبر کے میدان میں تو فاضل بریلوی کا حوالہ دیتا ہے مگر جہاں اپنی پیری مریدی بڑھانے، اپنے اپنے حلقۂ فکر کو نمایاں کرنے اور صوفیہ کے طریق عزلت و گمنامی کو چھوڑ کر اپنے اپنے اظہار کا مسئلہ آتا ہے تو وہاں چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی فاضل بریلوی کو پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا۔

اگر علمائے دیوبند کی متنازعہ گستاخانہ عبارات آسمان سے اترا ہوا صحیفہ نہیں ہیں کہ ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو ہماری خانقاہوں پر جو خرافات اعتقادی اور عملی طور پر رواج پا گئی ہیں وہ بھی طریقت کا حصہ نہیں ہیں۔ کیا یہ ناچ، بھنگڑے، جھومر، تھیٹر، بے قاعدہ قوالی اور راگ کی مجلسیں، قد آدم کے برابر اونچی قبریں، قبروں پر کروڑوں روپے کا ضیاع، قبروں کے سجدے طواف، مخلوق خدا کو اللہ کی بجائے اپنے سامنے جھکانے کا کار بے خیر آخر کس قاعدے قانون کا نتیجہ ہے؟

مجھے علم ہے کہ میری اس تحریر سے بعض جبینوں پر شکن پڑیں گی مگر میں بہانگ دہل کہنا چاہتا ہوں کہ سُنّیت کا ٹھیکے دار کوئی نہ بنے۔ راقم السطور بحمد اللہ خاندانی اعتبار سے اہل سنت کے عظیم خانوادے سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے جد امجد کے فاضل بریلوی کے ساتھ ذاتی تعلقات رہے ہیں۔ میں نے سُنّیت اور مسلکِ حقہ کی تائید و نصرت میں ہزاروں صفحات لکھے ہیں۔ ملک کا اہل علم طبقہ اچھی طرح جانتا ہے۔

مَیں یہاں پر یہ بات نہیں چھپانا چاہتا کہ دنیائے سُنّیت میں شتر مرغ پالیسی نہیں چلے گی۔ عمائدین اہل سنت اس آخرین دور میں فاضل بریلوی ایسا بلند مرتبہ فقیہ، شریعت و سنت کا پیکر، علم و فضل کا مالک اور

عاشق رسول سامنے لے آئیں ورنہ افرایت من اتخذ الٰهه هوىٰ کے مطابق چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اور جتھے بنا کر اور اپنی خواہشات اور پسند کو سنیت کا لبادہ دے کر اس عظیم شخصیت کو بدنام کرنے کی روش ترک کر دیں۔

خدا کے لیے کوئی ہمیں بتائے کہ اہل سنت کے اس صدی کے کتنے مجدد ہیں، کتنے امام ہیں، کتنے مقتدا ہیں؟ جس کی جو مرضی اور خواہش ہوتی ہے اسی کے مطابق اپنی زنبیل سے وہ اپنے ممدوح کو القاب دے دیتا ہے کل حزب بما لدیهم فرحون، کا منظر ہے۔

گزشتہ سال راقم السطور ایک ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا جو صاحب علم اور انتہائی لائق شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے سامنے ایک درخواست رکھی تھی جو انہوں نے میری طرف بڑھا دی۔ اس میں ایک معروف خانقاہ کے سجادہ نشین کی طرف سے گزارش کی گئی تھی کہ عرس کے موقع پر تھیٹر اور سرکس کی اجازت دی جائے اور لطف یہ کہ یہ درخواست لے کر سجادہ نشین صاحب خود ڈپٹی کمشنر کے پاس آئے تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟''

ہر واعظ، مولوی اور عالم پیری مریدی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ جو بھی فوت ہوتا ہے اس کے روضے، آستانے، عرس شروع ہو جاتے ہیں۔ مریدین و معتقدین کو یہ زہر انڈیلا جاتا ہے کہ بس جو کچھ ہیں ہمارے حضرت ہیں؟ ان کے خلاف جو سوچتا ہے، عمل کرتا ہے یا بات کرتا ہے وہ بے دین اور گمراہ ہے۔ یہاں ایسے ایسے لوگ بھی بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں اور کئی نام نہاد علماء کو ہم نے ان کے پاؤں پر سر رگڑتے دیکھا ہے جنہوں نے زندگی میں ایک نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، کبھی جمعہ نہیں پڑھا، عیدین کی نماز میں شامل نہیں ہوئے، فرض ہونے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم ہیں۔ آخر یہ کیسی طریقت ہے، یہ تصوف و روحانیت کی کون سی قسم ہے؟ اگر ہم غلطی پر ہیں تو کوئی ہمیں سمجھائے۔

امام دار الہجرہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ آب زر سے لکھنے کے لائق فرمودہ کہاں گیا جس میں آپ نے روضۂ نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

کل یوخذ عنه و یرد علیه الا صاحب هذا القبر.

سوائے اس صاحب مزار (آنحضور ﷺ) کے ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی۔

ہمیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تصوف و طریقت اور خانقاہی رسوم و آداب سے متعلق اہل سنت کے ہاں بے شمار کوتاہیاں اور خامیاں ہیں، خوش عقیدگی شخصیت پرستی کو چھو رہی ہے۔ ہمارے ذکر و اذکار، وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کی جہد و کاوش اپنے اپنے حلقوں تک محدود ہو کر رہ

گئی ہے۔

یہ لَے اس قدر بڑھ چکی ہے کہ بعض حضرات نے چشتیت قادریت کی افضلیت پر بحثیں شروع کردی ہیں۔ قادری کا لفظ دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید راقم اسی خول میں گرفتار ہے۔ میرے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میرے نزدیک سلاسل تصوف حقیقت واحدہ تک پہنچنے کے راستے ہیں جو سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مگر یہ کیا ہے کہ بات غوث اعظم کی تنقیص تک جا پہنچے؟ اگر شریعت و سنت کے اس مثالی علمبردار اور توحید کے سب سے بڑے مبلغ کو تصوف کی تاریخ سے الگ کر دیا جائے تو مخالفین تصوف کے سامنے پیش کرنے کو رہ کیا جاتا ہے؟ کیا یہ سلسلے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی تحریکیں تھیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آج سے کسی مولوی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت مشائخ کے بارے میں ایسی گھٹیا زبان استعمال کرے اس کے باوجود گستاخ صرف دیوبندی ہی ہیں۔

ع ...... حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

ایسے لوگوں کو سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ کہ ع

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پس چہ باید کرد

کئی سال کے مطالعے اور طویل غور وفکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فاضل بریلوی کا اصول و فروع میں مسلک ہی وہ پُر امن شاہراہ ہے جس کی مضبوط بنیادیں کتاب و سنت پر اٹھائی گئی ہیں۔ ہماری باقی رسمیں ریتیں علم و خرد اور فقہ و سنت کی ہلکی سی آنچ بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اگر اہل سنت کے کچھ افراد یا جماعتیں پیری مریدی، کشف و کرامات اور سیاسی بازیگری کے کھیل تماشے سے الگ ہوکر صرف اصلاح اخلاق و اعمال اور مثبت دینی لٹریچر کا بیڑا اٹھالیں تو شاید کچھ اصلاح احوال کی صورت نکل آئے۔ دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ آخری حتمی اور یقینی فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے لہٰذا غیر مشروط اطاعت صرف انہی کی ہونی چاہیے۔

فاضل بریلوی کا نام لینے والوں پر ان کا حق اور فرض ہے کہ وہ خاص طور پر اتباع سنت کے بارے میں انہیں صدقِ دل سے اپنا راہنما بنا کر اپنی کوتاہیاں دور کریں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتوے گویم

تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

×•×•×•×•×

سرزمینِ عرب پہ ہیں چار سُو چرچے ترے!

از: غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت ۱۸۵۶ء/ وصال ۱۹۲۱ء) کے عہد میں ہی عرب کے اکابر علماء نے آپ کی عظمتوں کا لوہا مان لیا تھا۔ علمائے عرب نے کئی اہم مسائل شرع امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیے۔ علمائے عرب کے استفسار پر آپ نے کئی کتابیں تحریر کیں۔ کرنسی نوٹ کے جواز میں مفصل کتاب "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" لکھی۔ علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے اثبات میں مکۂ معظمہ میں کئی صد صفحات پر مبنی کتاب "الدولة المکیه بالمادة الغیبیه" لکھی۔ امام احمد رضا کی ان کتب پر اکابر علمائے عرب نے تقاریظ لکھیں، ان علمائے عرب کے علم و فضل کا ڈنکا مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں بج رہا تھا۔

شیخ الخطباء والائمة فی المسجد الحرام شیخ احمد ابوالخیر میرداد حنفی (م ۱۹۱۶ء) نے حسام الحرمین اور الدولة المکیه (از: امام احمد رضا) پر تقریظ لکھی۔ آپ کی خواہش پر امام احمد رضا نے آخر الذکر کتاب میں بعض مباحث کا اضافہ فرمایا۔ ان دونوں کتابوں پر مفسر و محدث شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (م ۱۹۱۵ء)، مفتی شافعیہ شیخ عمر بن ابی بکر باجنید (م ۱۹۳۵ء)، مفتی مالکیہ شیخ محمد عابد مالکی (م ۱۹۲۲ء)، شیخ العلماء و مفتی احناف شیخ محمد صالح کمال (م ۱۹۱۴ء)، مفتی شافعیہ شیخ محمد سعید باصبیل (م ۱۹۱۲ء) نے بھی تقاریظ تحریر کیں۔ ان میں شیخ محمد صالح کمال اور شیخ محمد عابد مالکی، امام احمد رضا کے خلیفہ تھے۔

مفتی شافعیہ علامہ سید احمد بن اسماعیل برزنجی (م ۱۹۱۶ء) نے امام احمد رضا کی کتاب "حسام الحرمین" پر تقریظ لکھی۔ مفتی شافعیہ علامہ سید حسین بن محمد حبشی (م ۱۹۱۲ء)، عثمانی عہد میں مدینہ منورہ سے شائع ہونے والے اخبار روز نامہ "الحجاز" کے قلمکار علمائے احناف کے سرتاج شیخ عبدالقادر شبلی (م ۱۹۵۰ء) نے حسام الحرمین پر تقاریظ تحریر کیں۔ "الدولة المکیه" پر مفتی احناف شیخ عبداللہ سراج (م ۱۹۴۹ء) جو ہاشمی عہد میں چیف جسٹس و نائب وزیر اعظم اور پھر اردن کے وزیر اعظم رہے، نے تقریظ لکھی۔ مفتی حنابلہ شیخ عبداللہ بن حمید (م ۱۹۲۷ء) نے بھی کتب امام احمد رضا پر تقریظ لکھی۔ جامعۃ الازہر کے فاضل استنبول سے نکلنے والے ہفت روزہ اخبار "الجوائب" کے قلمکار علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی (م ۱۹۳۲ء) نے "الدولة المکیه" پر تقریظ قلمبند کی۔ آپ تہتر (۷۳) کتابوں کے مصنف تھے۔

عرب کے سرتاج علماء شیخ احمد زینی دحلان الشافعی المکی (م ۱۸۸۱ء)، شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی الاحناف بمکہ (م ۱۸۸۳ء)، اور شیخ حسین صالح جمل اللیل المکی (م ۱۸۸۴ء) سے امام احمد رضا نے سند حدیث حاصل کی۔ فنِ حدیث میں امام احمد رضا کی مہارت کا اعتراف علمائے عرب نے کیا ہے اور آپ کو

امام المحدثین کے لقب سے یاد فرمایا۔ حافظ کتب حرم شیخ اسمٰعیل مکی نے شیخ المحدثین علی الاطلاق کے لقب سے امام احمد رضا کو یاد فرمایا۔ علمائے عرب نے علم حدیث میں امام احمد رضا سے اجازتیں اور سندیں لیں بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد:

> "علم حدیث اور علوم دینیہ میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تبحر کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے خود سندات اجازات جاری نہیں کیں بلکہ علمائے حرمین شریفین نے آپ سے خود سندات اجازات طلب کیں......"

ان نگارشات کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہد امام احمد رضا میں ان کے عرب معاصر علمائے کرام نے امام احمد رضا سے اکتساب علم وفن فرمایا، وہ امام احمد رضا کی شان وعظمت سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کے مدح خواں تھے۔

عہد حاضر میں عالم عرب میں امام احمد رضا کی حیات و خدمات نیز علوم وفنون پر کام کی رفتار بتدریج بڑھ رہی ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے مطابق رضویات پر کام کا دائرہ قاہرہ سے بغداد شریف اور بغداد شریف سے شام ولبنان تک وسیع ہوگیا ہے۔

ایک اطلاع کے مطابق صدام یونیورسٹی (بغداد شریف) کے وائس چانسلر امام احمد رضا پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اسی یونیورسٹی کے استاذ علامہ دکتور عدنان علی فراجی اور دکتور محمود احمد الشحاذہ نے امام احمد رضا پر مقالے رقم کیے ہیں۔

عالم اسلام کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر قاہرہ، مصر میں امام احمد رضا پر بہت ہی منظم انداز میں کام ہو رہا ہے۔ وہاں کے درسیات میں سلام رضا اور امام احمد رضا پر نگارشات شامل کی جاچکی ہیں۔ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی نے امام احمد رضا کے شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن کنزالایمان کے مستند ومعتبر ہونے کی تصدیق کی ہے۔ موصوف کی سرپرستی میں "مجمع البحوث الاسلامیہ" نے کنزالایمان کے معتبر ترجمہ ہونے کے متعلق سند جاری کی ہے۔ مصر میں علمائے اسلام کے لیے مختص چار سرکاری مناصب انتہائی اہم ہیں جن میں اوّل الذکر منصب شیخ الازہر کا ہے۔ اس لیے شیخ الازہر کی جانب سے سند کا اجراء ایک اہم پیش رفت ہے۔

امام احمد رضا پر تحقیقی کام کرنے پر کئی اسکالر ڈگری پاچکے ہیں۔ جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف پاکستان کے فاضل مولانا مشتاق احمد شاہ نے جامعۃ الازہر سے امام احمد رضا اور فقہ حنفی کے حوالے سے ایم فل کیا ہے۔ مولانا جلال الدین بھی رضویات کے حوالے سے ایم فل کر رہے ہیں۔ ممتاز مترجم ومصنف و محدث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) کے فرزند مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی نے امام احمد رضا کی

عربی شاعری کے حوالے سے ایم فل کی تکمیل کی ہے۔ جامعۃ الازہر میں زیر تعلیم برصغیر کے کئی طلباء نے کتب رضا کا عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ امام احمد رضا کے تعارفی باب میں کئی کتابیں قاہرہ سے شائع ہوچکی ہیں۔ جامعۃ الازہر کے استاذ ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ نے امام احمد رضا پر کتابیں لکھی ہیں۔ موصوف نے امام احمد رضا کا عربی دیوان بنام "بساتین الغفران" مرتب فرمایا ہے اور سلام رضا کا عربی نثر میں ترجمہ "المنظومة السلامیه" کے نام سے فرمایا ہے۔ آپ رضویات پر مسلسل لکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے بھی رضویات پر بہت سے اہم کام انجام دیئے ہیں۔ امام احمد رضا کا دیوان "حدائق بخشش" عربی زبان میں ترجمہ ہوکر "صفوة المديح" کے نام سے قاہرہ سے شائع ہوچکا ہے۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ، الازہر یونیورسٹی کے شعبۂ لغت میں مدرس ہیں۔ ان کو سب سے پہلے ملک مبارز (استاذ شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی) کی وساطت سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تعارف ہوا۔ پھر وہ ۱۹۹۵ء میں پاکستان تشریف لائے۔ علمائے اہلسنت سے ملاقاتیں کیں اور امام احمد رضا کی تصانیف اور آپ کے علمی جواہر کا مطالعہ کیا پھر رضویات پر تحریری کام کا آغاز کیا اور اب تک موصوف کا قلم رضویات پر خوشبوئیں اور نکہتیں لٹا رہا ہے۔ علمی نگاہ اور دور رس فکر رکھنے والے اہل فہم و محققین امام احمد رضا کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ خوب کہا ہے مولانا ممتاز احمد سدیدی نے۔

سرزمین مصر پہ ہیں چارسُو چرچے تیرے　　　جامعہ سے جامعہ تک کو بہ کو تیرا پیام

امام احمد رضا کی کتابوں کے عربی تراجم پر جامعہ ازہر کے اساتذہ نے تقاریظ لکھی ہیں اور تبصرے بھی فرمائے ہیں۔ پاکستان، فرانس، اردن، ایران وغیرہ سے "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" میں امام احمد رضا پر علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے مقالات شائع ہوچکے ہیں۔ عرب دنیا میں کتب رضا کی ترویج کے لیے مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات نے امام احمد رضا کی ۲۲ رکتابیں علامہ عبدالستار ہمدانی برکاتی کی سرپرستی میں بزبانِ عربی شائع کی ہیں۔ اس سلسلے میں برکاتی فاؤنڈیشن کراچی نے بھی پیش رفت کی ہے۔ الغرض امام احمد رضا پر کام ہوتا رہے گا۔ ان کے علوم سے عرب و عجم کے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ ان کی تعلیمات کا دائرہ وسیع ہوتا رہے گا۔

ماخذ:
(۱) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۲۰۰۳ء
(۲) حوالہ بالا، فروری ۲۰۰۱ء
(۳) حوالہ بالا، اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۴) حوالہ بالا، فروری ۱۹۹۸ء
(۵) معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء کراچی
(۶) ماہنامہ سیدھا راستہ لاہور، مئی ۲۰۰۲ء

اِک پیغام مسلمانانِ ہند کے نام

از: محمد حُسین مُشاہد رضوی، مالیگاؤں، ناسک (مہاراشٹر)

یہ بات ہم تمامی ہندوستانی مسلمانوں کے لیے باعثِ فخر ہے کہ ہم نے جس صدی کو خیر باد کہا ہے اس میں ہندوستان نے ایک ایسی عظیم ترین شخصیت کو دیکھا ہے جو اپنی ذات میں نہ صرف اک انجمن تھا بلکہ عظیم ترین چلتی پھرتی یونیورسٹی تھا۔ جدید ریسرچ وتحقیق کے مطابق امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی بیک وقت ایک سو چودہ علوم وفنون کے ماہر تھے اور اتنے ہی علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل کے مصنف بھی تھے۔

بیسویں صدی بلکہ اس سے پیشتر کئی صدیوں کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف ہمارے ملک ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں کوئی شخصیت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کے جیسی ہمہ جہت، ہمہ گیر اور متنوع خوبیوں کی مالک، ذہین، دور اندیش، محقق، بالغ نظر، طباع اور عالی دماغ کسی بھی مذہب ومسلک کے دامن میں نظر نہیں آتی۔

آج عالمی سطح پر مسلمانوں کو جس بے دردی کے ساتھ ظلم وستم، جبر وتشدد اور مصائب ومظالم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس ناگفتہ بہ اور خوں آشام عالم میں مجھے بار بار امام احمد رضا کی روشن روشن تعلیمات اور نور باراں پیغامِ عشقِ رسالت کی بڑی شدت کے ساتھ یاد آ رہی ہے کیوں کہ ہر قسم کے درد وکرب، رنج والم اور دکھوں کا مداوا صرف اور صرف محبتِ رسول (ﷺ) میں موجزن ہے۔

۱۸۵۶ عیسوی میں جب کہ برصغیر ہندو پاک (غیر منقسم بھارت) بڑی سخت ترین آزمائشوں اور مصائب وآلام کے دور سے گذر رہا تھا...... مذہبی، دینی، علمی، ادبی، تعلیمی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی اور سماجی قدروں کی پامالی انتہائی عروج پر پہونچی ہوئی تھی۔ ایسے پُر آشوب عہد میں امام احمد رضا محدث بریلوی...... ریاستِ اتر پردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے...... ایسے خطرناک دور میں پیدا ہونے کے باوجود آپ نے اُمّتِ مُسلمہ کو اُس زمانے میں بنامِ اسلام وایمان چل رہی نت نئی باطل تحریکات کے جنونی بہاؤ میں لے جانے کی بجائے ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے عشق ومحبت میں سرشار کرنے کی سعی بلیغ فرمائی اور یہ باور کرایا کہ تمام قسم کے دکھوں، مصیبتوں، پریشانیوں، کلفتوں، رنج والم، سوز وغم، اور مصائب وآلام کا واحد مداوا اور علاج رسول کریم ﷺ کی محبت و الفت اور رؤف ورحیم آقا ﷺ کی تعظیم وتوقیر ہی میں مضمر ہے۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی اسی عظیم ترین دولت وثروت سے مسلمانوں کو محروم کرنے کے لیے ابتدائے اسلام ہی سے نت نئی سازشوں کے

دروازوں کو کھول دیا تھا۔ قبلۂ اوّل بیت المقدس کا بار بار مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا جانا، اسپین کی تباہی، غرناطہ کا سقوط، بغداد کی دہشت ناک لوٹ مار، اور درجنوں اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کی دردناک تباہی و بربادی اور ان کے سقوط و خاتمے کی کربناک تواریخ کا جب بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا ہے اور بربادی کی اصل وجہ تلاش کی جاتی ہے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ عشق رسول ﷺ کی دبی ہوئی چنگاری کو شعلۂ جوالہ بنانے کی بجائے جب مسلمانوں نے اُسے سرے سے ختم ہی کر دیا اور محبتِ رسول ﷺ سے اپنے قلوب و اذہان کو ویران کر دیا۔ تعظیم رسالت سے کوسوں دور ہوگئے تو دماغ پراگندہ ہوگئے۔ متاع عقل و خرد لٹ گئی۔ تباہی و بربادی مقدر بن گئی اور امّت کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ آج ساری دنیا کے مسلمان جس کرب و بے چینی اور جبر و تشدد کے ماحول سے گذر رہے ہیں ایسے عالمِ جاں سوز میں امام احمد رضا کے اِسی پیغامِ عشق رسالت کو اکنافِ جہاں میں زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی سخت اور اشد ضرورت ہے۔

سرزمینِ ہندوستان پر جنم لینے والی اس عظیم ترین ذات کی علمی و تحقیقی حیثیت کے صحیح خدّ و خال آج ہندوستان میں محض بُغض و عناد اور تعصب و تنگ نظری کے باعث مسلمانانِ ہند کی نظروں سے اپنے وصال فرمانے کے پون صدی سے زائد عرصے کے بعد بھی اب تک اوجھل ہے۔ جب کہ اس کے برعکس بیرونِ ہند، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، جاپان، فرانس، جرمنی، اٹلی، امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، آسٹریلیا، ساؤتھ افریقہ، تنزانیہ، ماریشس، لیبیا، ترکی، مصر، انڈونیشیا، ملیشیا، حجازِ مقدس، کویت، شام، اردن، لبنان، عرب امارات، زمبابوے وغیرہ وغیرہ ممالک میں آج اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، معروف عالمی شہرت یافتہ دانشگاہوں اور جامعات وکلیات کے نصاب میں آپ کی مایۂ ناز تصانیف شامل ہیں اور باقاعدہ آپ کی متنوع خوبیوں کی حامل شخصیت پر سرعتِ رفتار سے تحقیق و ریسرچ جاری ہے۔ آپ کی شخصیت پر درجنوں محققین نے ریسرچ کر کے تحقیقی مقالات قلم بند کر کے ڈاکٹر آف فلاسفی اور ایم فل کی ڈگری سے سرفراز ہوئے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر بجا طور پر ناز کرنا چاہئے کہ ہمارے ملک ایک ایسی عظیم ترین ذات پیدا ہوئی کہ جس کے نام کا چرچا آج اُفق سے تابہ اُفق ہو رہا ہے...... مگر افسوس صد ہزار افسوس!!! یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہی ہے ہم تعصب و تنگ نظری اور بُغض و عناد کے ضرر رساں حصار میں مقید و محبوس ہو کر ایک عظیم ترین علمی شخصیت کے مذہبی علمی، ادبی و تحقیقی شہ پاروں سے آنکھ موند رہے ہیں اور اس کی ہمہ گیر و ہمہ جہت خدمات دینیہ سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ خدارا! اب فکر و نظر کو تبدیل کیجئے...... وقت کا تقاضا پہچاننے کی کوشش کیجئے...... حالات کی نازکی کے احساس کو اپنے قلوب و اذہان میں جگہ دیجئے...... امام احمد رضا کی شخصیت کو صحیح طور پر جاننے اور سمجھنے کی مثبت اور مخلصانہ کوشش کیجئے...... یقیناً

آپ کو اک نیا جہان نظر آئے گا۔ اک بے لاگ، بے باک۔ اسلام اور مسلمانوں سے سچی ہمدردی رکھنے والی۔ اہلِ اسلام کی فلاح و بہبود کے جذبۂ عظیم سے مرصع و معمور، خوف و خشیت ربانی سے سرتاسر مخمور۔ تعظیم و توقیر و محبت و الفتِ سرکارِ دو عالم ﷺ سے شادکام و مسرور...... اور آقائے کائنات ﷺ کی بے ادبی و گستاخی سے رنجیدہ و مغموم۔ گستاخانِ خدا و رسول (جل و علا و ﷺ) کے لیے برق و شرر۔ عاشقانِ خدا و رسول کے لیے بریشم کی طرح نرم و ملائم شخصیت آپ کے سامنے آئے گی۔ جس کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے دل عشقِ رسول (ﷺ) سے سرشار ہو جائیں۔ مسلمان اپنے آقا سے محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ آپ کی دل و جان سے تعظیم و توقیر کرتے ہوئے قادرِ مطلق خالق کائنات جل و علا کے خوف و خشیت کو دل میں نہایت پختگی کے ساتھ راسخ کر کے حیاتِ مستعار کے شب و روز بسر کریں کہ اسی میں ہر قسم کی دینوی و اُخروی کامرانیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے۔

LLLLLLLLLL

اخبارِ رضا

O ''ضیاء القرآن کا تحفظِ اسلام نمبر'' مولانا محمد منظر وسیم مصباحی کی ادارت میں شائع ہوا ہے۔ ناشر: دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، عبدالغفور خان اسٹیٹ، آگرہ روڈ، کرلا، ممبئی۔۷۰ قیمت: ۱۲۰ روپے۔ O سُنّی یوتھ فیڈریشن، ۹۵، اُندریا اسٹریٹ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۸ کی جانب سے مندرجہ ذیل انگریزی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی تین کتابیں (۱) What is Is Islam? (۲) Quest for True Happiness (۳) A Shavian & a Theologian (علامہ عبدالعلیم اور جارج برنارڈ شا میں مکالمہ) اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ ''الاربعین'' Forty Hadiths on Intercession of Holy Prophet (SallallaAlaihi wa Sallam)۔ ہر کتاب کا ہدیہ دس ۱۰/ روپے ہے۔ O مولانا سراج القادری بہرائچی کی تازہ ترتیب شدہ کتاب ''مجرم عدالت میں'' صفحات ۱۶۰، قیمت: ۵۰/- روپے' الدارالسنیہ، ۹۵، اُندریا اسٹریٹ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۸ نے شائع کردی ہے۔ O تحریک فکر رضا ممبئی نے حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری (مصنف: ''سیرتِ صدر الشریعہ'') کی مؤلفہ ''تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدرِ شریعت'' شائع کردی ہے۔ O حضور سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی کی دو نئی انگریزی کتابیں سُنّی یوتھ فیڈریشن، ۹۵، اُندریا اسٹریٹ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۸ نے شائع کی ہیں۔ "The Way to be" قیمت: ۴۰/- روپے۔ اور "Gateway to Heaven" (جنتی زیور کے طرز پر عورتوں کے لیے معلوماتی کتاب) قیمت: ۸۰/-۔

OOOO

حضرت نظمی مارہروی اور ان کی نعتیہ شاعری

از: شکیل احمد قریشی اعظمی برکاتی شمسی
بھیرہ محلہ پچھم پوسٹ ولید پور ضلع مئو یوپی
خطیب وامام قادری مسجد پلاٹ نمبر ۳۸ مالونی ملاڈ ممبئی ۹۵

حضرت نظمی کون ہیں دنیائے سنیت اس بات کو اچھی طرح سے جانتی ہے کہ حضرت نظمی حضور سید العلماء حضرت علامہ الحاج حکیم الشاہ سید آل مصطفےٰ صاحب قبلہ مارہروی سید میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۹۷۴ء) ۱۱ر جمادی الآخر ۱۳۹۴ھ کے صاحبزادہ و جانشین ہیں جن کا اسم گرامی حضرت سید آل رسول حسنین میاں صاحب ہے۔ آپ کا تخلص نظمی ہے۔ مولد و وطن محلہ بستی مارہرہ شریف ضلع ایٹہ ہے۔

آج سے چند سال قبل جب ماہنامہ "استقامت" کانپور سے جاری ہوتا تھا ہر ماہ پابندی کے ساتھ حضرت کا ایک کالم "کیا آپ جانتے ہیں؟" کے عنوان سے چھپتا تھا۔ جو بڑا ہی پُر مغز اور معلومات کا خزینہ تھا۔ آپ کے اس علمی جواہر پارے کو پڑھ کر دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ لیکن میں اس ذات سے بالکل نا آشنا تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میں ۱۹۸۸ء سے پہلے مدرسہ عزیزیہ خیر العلوم بھیرہ ولید پور میں پرائمری کے کسی درجہ میں پڑھتا تھا۔ مدرسہ ہٰذا کی امجدیہ لائبریری میں "استقامت" آیا کرتا تھا۔ بہر حال اس وقت حضرت کی ذات سے وابستہ نہ تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ کوئی عبقری شخصیت ہے کہاں یہ معلوم تھا کہ آپ خانوادۂ برکاتیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں سے امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسے جلیل القدر مجدد کو اعلیٰ حضرت کا لقب ملا اور جن کی بیعت پر سرکار سیدنا حضرت سید آل رسول صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز (متوفی ۱۸ر ذی الحجۃ الحرام ۱۲۹۶ھ) نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ بقول اعلیٰ حضرت

"کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ ☆ بول بالے مری سرکاروں کے"

۱۹۸۹ء کے بعد دار العلوم اہلسنّت شمس العلوم گھوسی ضلع مئو کی طالب علمی کے زمانے میں اطراف گھوسی میں جلسہ وعرس و نعتیہ مقابلہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اکثر طلبۂ کرام حضرت کی مشہور و معروف نعت پاک یوں گنگناتے تھے۔

کعبے کے در کے سامنے مانگی ہے یہ دعا فقط
ہاتھوں میں حشر تک رہے دامن مصطفےٰ فقط
نعت رسول پاک ہے نظمی کا مقصدِ حیات
قبر میں بھی لبوں پہ ہو سرکار کی ثنا فقط

آپ کا یہ کلام عوام و خواص بے حد پسند کرتے تھے۔ ناچیز کو خود بھی یہ نعت اچھی لگتی تھی۔ مقطع میں نظمی کا نام پڑھا جاتا تھا دل میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ بہت بڑے شاعر کا کلام ہے۔ بالکل نئے انداز میں یہ نعت کہی گئی ہے۔ یہ حضرت کا غائبانہ تعارف رہا صرف لفظ نظمی سے آشنائی رہی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اب فقیر سراپا تقصیر کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ ناچیز ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء میں سلسلۂ برکاتیہ میں داخل ہوا۔ یہ چند سطور میں نے نام و نمود کے لیے نہیں لکھیں بلکہ صرف اور صرف قوم و ملت کو متعارف کرانے کے لیے بطور انکساری تاکہ میرا بھی نام حضرت نظمی مدظلہٗ العالی کے ادنیٰ غلاموں میں ہو جائے۔

مخدوم زادۂ گرامی شہزادۂ حضور سید العلماء حضرت علامہ الحاج سید آل رسول حسنین میاں صاحب قبلہ نظمی مارہروی مدظلہٗ النورانی سجادہ نشین آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی علمی شخصیت محتاج تعارف نہیں یہ تو وہی لحۂ فکر ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اب آیئے اصل موضوع سخن کی طرف، شاعر اسلام حضرت نظمی کا مجموعۂ کلام ایک انفرادی مقام رکھتا ہے۔ کسی زمانہ میں اقبال، غالب، میر انیس، جگر، فراق، میر تقی میر، داغ، حالی، جوہر، مومن وغیرہ کا شعر و شاعری کی دنیا میں طوطی بولتا تھا۔ لیکن ماضی بعید میں جو مقام و مرتبہ فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تھا وہ فی زمانہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔ جن کی نعت یا منقبت ہر زبان کی ترجمان ہوا کرتی تھی۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم ☆ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

لیکن دور حاضر میں اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے بعد جو بلند رتبہ حضرت نظمی کو نعتیہ شاعری میں حاصل ہے بہت کم ہی ایسے شعراء نظر آتے ہیں جن کے اشعار دل پر اثر کرتے ہیں مگر آپ کا شعری مجموعۂ کلام کلک رضا، کلام رضا کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں "یہ کلکِ رضا کا فیض ہے"

حضرت نظمی میاں نے خود فاضل بریلوی کے نعتیہ اشعار پر تضمین لکھی ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتی ہے نعمت نور کی
فرش سے تا عرش چلتی ہے ضیافت نوری کی

اور ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث، شریعت کا ادب و احترام، عشق رسول بھی ملحوظ پائیں گے۔

شان رسالت ہم سے نہ پوچھو، پوچھو پوچھو قرآن سے
رب کی عنایت ہم سے نہ پوچھو، پوچھو پوچھو قرآن سے
قاب قوسین کی تمثیل کے مصداق بنے
سورۂ نجم سے ثابت ہوئی رفعت ان کی

لیکن قارئین کرام ہرگز یہ تصور نہ فرمائیں کہ حضرت نظمی کو صرف اردو شاعری میں دسترس حاصل ہے بلکہ ہندی، فارسی، عربی، سنسکرت زبان پر بھی عبور حاصل ہے۔

ان کے در کے بھکاری بادشاہوں کو لجائیں
دونوں جگ کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں

ذرا چھیڑ تو نغمۂ قادریت ☆ کہ ہر تار بولے گا تن تن تنا تن
نعت رسول کے طفیل عزت ملی ڈگر ڈگر

حضرت کی ایک نعت سنسکرت زبان میں ہے جو شاہ امم شاہ امم کے عنوان سے ہے لیکن اس کے اشعار میرے ذہن میں نہیں ہے جو تحریر کیا جائے۔ خود رقم طراز ہیں۔

"ذکر مصطفےٰ میں ہے ذکر کبریا پنہاں احمد واحد میں اک میم کی مسافت ہے"

"نعت رسول ایک ایسا لاہوتی جذبہ ہے جو دل و دماغ کو زبردست تسکین بخشتا ہے۔ آپ کیسے ہی ملول و مضمحل ہوں اپنے آقا کا تصور کیا اور طبیعت تروتازہ ہو اٹھی۔ بقول امام احمد رضا۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہوں جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں"

(نیاز کیش نظمی۔ نوازش مصطفےٰ (ﷺ) ص ۵)

شہزادۂ حضور احسن العلماء حضرت مولانا سید محمد اشرف صاحب قبلہ قادری برکاتی مدظلہٗ العالی کے وہ جملے جو انہوں نے حضرت نظمی صاحب کی شان میں لکھے ہیں خود انہیں کی زبان فیض ترجمان سے ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت اشرف ملت صاحب یوں رقم طراز ہیں۔

"ہر صنف ادب کے اپنے فنی تقاضے ہوتے ہیں اور نعت کے فنی تقاضوں میں ایک اور تقاضا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ عشق رسول جب تک اس پہلے امتحان کو پاس کر نہ لیا جائے الفاظ کا مینار تو کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ نعت کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے عظیم شعراء زبان کی صناعی مضمون کی رفعت اور خیال کی بلندی کی وجہ سے عظیم شعراء کی صف میں تو جا بیٹھے لیکن سپاہ نعت گویاں میں کھڑے ہونے کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

نظمی کے اشعار دل کو کیوں کھینچتے ہیں۔ ان اشعار کی زبان، ان میں بیان شدہ مضمون تیر کی طرح دل پر آ کر کیوں لگتا ہے۔ ان امور کا تجزیہ کیا جائے تو صفحات کے صفحات لکھتے لکھتے ختم ہو جائیں اور پھر بھی تجزیہ مکمل نہیں ہو سکے گا۔

نظمی کی مذہبی شاعری کا تجزیہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ان کی شعری شخصیت تہہ در تہہ ہے اور ہر تہہ کا جداگانہ وصف ہے۔

نظمی کی شعر گوئی کو سمجھنے کے لیے کچھ نکات پر توجہ دینا ضروری ہے۔ سب سے پہلا اور یقیناً سب سے اہم ان کا عشق رسول ہے جس کی چاشنی کے بغیر نعت کا شعر قبولِ عام حاصل ہی نہیں کرسکتا۔ مصطفےٰ پیارے ﷺ کے تئیں محبت کے جذبے کے بغیر اعلیٰ نعتیہ شاعری کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

نظمی خود بھی اس نکتے کے عارف ہیں:-

نعت میں نظمی کو کچھ یوں ہی نہیں شہرت ملی
جذبۂ حبِّ نبی شعروں کے اندر رکھ دیا

''دوسرا نکتہ جو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ نظمی نے اپنے بیشتر اشعار کی بنیاد آیات قرآنی اور حدیث پر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں بھرتی کے مضمون نظر نہیں آتے۔ نظمی سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر (بزبان انگریزی) کی تالیف مکمل کر چکے ہیں۔ جو شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے بلکہ عوام اور علماء کرام دونوں سے خراج تحسین بھی وصول کر چکی ہے۔ تو اشعار کی نعت میں چار اشعار۔

اِنّا اعطیناک الکوثر کس کا ذکر ہے ان کا ان کا
کس کی شوکت کس کی عظمت کس کی کثرت ان کی ان کی
اِنّا ارسلناک شاہد کس کی صفت کا ذکر ہوا ہے
قرآن کے ایک ایک ورق میں کس کی مدحت ان کی ان کی

(نوازش مصطفےٰ ص ۷،۸،۹)

''تیسرا بہت اہم نکتہ ہے نعت کے شعر میں احتیاط کا دامن تھامے رکھنا۔ صنف نعت پل صراط کی طرح ہے۔ ذرا قدم لڑکھڑائے اور منزل دور ہوئی بلکہ راستہ بھی کھوتا ہوا۔ ایک طرف تو یہ ضبط کہ نعت میں بیان کیا ہوا مضمون شانِ الوہیت تک نہ پہونچ جائے اور دوسری طرف یہ احتیاط کہ شان رسالت میں کہا ہوا شعر کہیں عالم بشریت کی سطح پر نہ پہونچ جائے۔ بہت کم نعت گو شعراء ہیں جو اس نازک مقام سے سرخ روگزر پائے ہیں۔ نظمی بھی ان چند شعراء میں ایک ہیں۔

نظمی کی نعت گوئی میں اکثر ایسے مقام آئے ہیں کہ دل دھڑک اٹھتا ہے کہ خدا جانے دوسرے میں کیا ہو۔ نظمی کے ایسے اشعار میں ان کا دوسرا مصرع انہیں اس طرح کے نازک مقامات سے بآسانی سرخ رو گزارتا ہے۔

عرش سے آگے منزل کرنا عام بشر کا کام نہیں
نور ازل میں گم ہونے کو پہنچی تھی وہ نوری شعاع
مکاں سے لا مکاں میں پہونچے ظہور سے بطن میں ہوئے گم
وہ سرّ وحدت کے یعنی شاہد بنا حقیں بے مثال ان کی
احساس تجھ کو دید خدا کا نہ ہو تو کہہ
سرکار کے خیال کو دل میں جما کے دیکھ
بندگی بے خودی میں بدلی ہے
دل کا قبلہ ہوا ہے سوئے نبی

(نوازش مصطفےٰ ص ۱۰، ۱۱)

"نظمی بچپن سے ہی کثیر المطالعہ رہے سیکڑوں کتابیں پڑھنے کے بعد ان کا ذہن الفاظ کا پارکھ ہو چکا ہے۔ لفظ سے کیا صوت پھوٹ رہی ہے، کسی خاص لفظ کے ادبی انسلاکات کیا ہیں یا کوئی مخفوظ لفظ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ کیا لطف دے گا۔ لفظوں سے بر آمد ہونے والی مختلف آوازیں شعر کے آہنگ کے کس ارتفاع تک لے جائیں گے۔ ان تمام امور کو سمجھنے کے لیے نظمی کو محنت یا جستجو نہیں کرنا پڑتی۔ ان کا مطالعہ، حافظہ اور لفظوں سے طلوع ہونے والی آواز کا گیان نظمی کو کسی خود کار طریقے سے بتا دیتے ہیں کہ ایک مخصوص لفظ کس طرح برتا جائے۔ آبشار ایک عام لفظ ہے لیکن نظمی کی نعت میں آ کر کتنا حسین اور ارفع ہوگیا۔

راحت فزا ہے سایہ دامان مصطفےٰ
رحمت کا آبشار ہیں چشمان مصطفےٰ

بغیر کسی تمہید کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گناہ گاروں کے حق میں رحمت پر ہیزگاروں کے حق میں راحت
وہ ذات اقدس کی جس کی شفقت ہر اک پہ یکساں برس رہی ہے
نظمی کیے ہی جائے گا میلاد مصطفےٰ بیاں
اس کو کبھی نہ چھیڑنا سنّی بڑا دبنگ ہے

"نظمی کی زبان دانی کے سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کا شعری شجرہ حضور سید العلماء سید میاں مارہروی اور حضرت احسن العلماء مارہروی سے ہوتا ہوا براہ راست داغ دہلوی تک پہونچتا ہے جنہوں نے بڑے زعم کے ساتھ یہ شعر کہا تھا۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

"نظمی کے اشعار کی ایک نمایاں خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اشیاء، کیفیات، واردات، اور واردات اور حالات کی اتنی خوبصورت اور مناسب جزئیات نگاری کرتے ہیں کہ شعر کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ بنیادی طور پر جزئیات نگاری نثر کی خوبی ہوتی ہے۔ لیکن نظمی اپنی نعتوں میں اور وہ بھی غزلیہ نعتوں میں جس فنکارانہ انداز کی جزئیات نگاری کی ہے وہ انہیں کا خاصہ ہے۔ جزئیات نگاری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری یا سامع شعراء کے اطراف و جوانب سے واقف ہو جاتا ہے اور شعر سے لطف حاصل کرنے میں اسے غیر ضروری پے چیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لباس پیوند منہ میں روزہ شکم پہ پتھر چٹائی بستر
یہ سادگی بے نظیر ان کی قناعتیں بے مثال ان کی

وہ سبز گنبد وہ ان کا روضہ وہ ان کی مسجد کا گوشہ گوشہ
قدم قدم پہ لگے ہے ایسا فلک سے جنت اتر پڑی ہے

نظمی نے کہیں کہیں بڑی ٹیڑھی ترچھی بحروں میں اور کبھی کبھی بہت ادق ردیفوں میں اپنا کمال شعر آزمایا ہے لیکن خدالگتی کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ ایسے تمام موقعوں پر کمال فن نے نظمی کے ہاتھ چومے ہیں۔ میں صرف چند مطلع پیش کر رہا ہوں آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

لا الـٰہ کی بولی بول الا اللّٰـہ سے گھیرا کھول اللہ ہو سے قلب جگائے جا
بندے تو مت کر من مانی یہ تو دنیا ہے فانی فانی دنیا کو کلمہ پڑھائے جا

جب بھی کوئی پوچھتا ہے اہلسنت کی سند
پیش کر دیتے ہیں ہم تو اعلیٰ حضرت کی سند

مہ و خورشید میں قربان جمال عارض
مرحبا صل علیٰ شان کمال عارض

فخر دو عالم نور مجسم رحمت سے بھر پور
رب نے انہیں بخشے ہیں خزانے نعمت سے بھر پور

حضرت اشرف ملت رقمطراز ہیں۔

"نظمی کی شاعری کی ایک بہت نمایاں خصوصیت ہے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت سیدی احمد رضا

خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے فیض اٹھانا۔ نظمی نے بھی اپنے اجداد کا گر سیکھا کہ تبلیغ عشق رسول کا جو ذریعہ انہوں نے اختیار کیا ہے یعنی نعت گوئی وہ کبھی کبھی ایسی زبان میں بھی ہو جسے عوام آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ اور جسے سمجھنے کے لیے عربی و فارسی کے مشکل الفاظ سدّ راہ نہ ہو۔ چوکھا رنگ، ملنگ، دبنگ، پیم، سونے نین، چرن، اور ان جیسے کتنے الفاظ نظمی کی اس صنعت کے آئینہ دار ہیں۔ نظمی کی ایک نعت کے تمام قافیے ٹھیٹھ ہندی کے ہیں۔ جیسے دنادن، سناسن، شاشن، کھناکھن، وغیرہ وغیرہ"۔

"نظمی اپنے شعر میں جو لفظ لاتے ہیں وہ اس کی روح سے واقف ہوتے ہیں۔ جہاں آسمان کہنا ہوتا ہے وہاں فلک نہیں کہتے، جہاں زمین باندھنا ہوتا ہے وہاں دھرتی نہیں باندھتے۔

جانشین حضور سید العلماء حضرت علامہ الحاج سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے "عرفانِ مصطفےٰ" سے لے کر "نوازش مصطفےٰ" تک کا سفر بڑے وقار، احتیاط اور تواتر کے ساتھ طے کیا ہے۔ دنیائے سنیت میں نظمی کا نام بحیثیت نعت گو محتاج تعارف نہیں ہے۔ "دل کش نعتوں اور منقبتوں" کے نظمی کی شعری کائنات کے تعارف کا حق ادا نہیں کر رہا بلکہ اس ثواب میں شریک ہو رہا ہوں جو عشق نبی میں سرشار ان اشعار کو پڑھ کر گنہ گار کی قسمت میں ارزاں کر دیا جاتا ہے۔

شعر نظمی کرامت عشقی — نظم نظمی عنایت عینی
آؤ دست دعا بلند کریں — زندہ باد اے بلاغت نظمی"

(نوازش مصطفےٰ ص ۱۴۔۱۹)

مندرجہ بالا اقتباسات سے قارئین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت نظمی کی نعتیہ شاعری کا مقام کیا ہے اور ان کے شعری کلام میں کیا خصوصیات پائی جاتی ہیں جیسا کہ حضرت اشرف ملت نے اپنے اقوال زرّیں سے ہمیں روشناس فرمایا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت نظمی نے اپنی نعتیہ شاعری کا آغاز کب فرمایا اور کون سی نعت پاک سب سے پہلے لکھی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نظمی نے بارہ سال کی عمر میں اپنے شعری کلام کا آغاز فرمایا اور سب سے پہلے بعنوان "جام محمد" ﷺ کے نام سے بارہ برس کی عمر میں یہ نعت پاک لکھی جو چند اشعار پر مشتمل ہے۔ حضور سید العلماء حضرت علامہ الحاج حکیم سید آل مصطفےٰ قدس سرہٗ نے اس نعت کو دیکھا اور اصلاح فرمائی۔ نام۔ سید آل رسول حسنین میاں، والد کا نام۔ حضرت سید آل مصطفےٰ، والدہ کا نام سیدہ قیصر جہاں بیگم تخلص۔ نظمی، مولد و وطن، مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوپی، صاحبزادے تین، سید سبطین حیدر، سید ذوالفقار حیدر، سید صفی حیدر، بطور تبرک چند مصرع پیش ہیں۔

"ہیں سب اہلسنت غلام محمد کریں جاں کو قرباں بنام محمد
وہابی نہیں کرتا تعظیم ان کی دکھاوے کو لیتا ہے نام محمد
یہ تفسیر والشمس واللیل پڑھ لو یہ صبح محمد وہ شام محمد
خدا کی قسم یہ حقیقت ہے نظمی کلام خدا ہے کلام محمد

حضرت نظمی مذکورہ نعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"نوٹ: یہ نعت میں نے غالباً بارہ سال کی عمر میں کہی تھی۔ حضور والد ماجد سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی اصلاح فرمائی تھی۔" (نظمی)

میری جان کاری کے حساب سے حضرت نظمی مدظلۂ العالی نے اب تک تین حج کیے ہیں اوّل حج ۱۹ ء میں دوسرا حج ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں تیسرا حج ۱۹۹۷ء میں جس سال منیٰ میں عظیم حادثہ پیش ہوا تھا حضرت اس سال اپنی والدہ محترمہ مع اہلیہ کے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت نظمی نعت گو کے ساتھ بہترین ادیب اور قلم کار بھی ہیں چند تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

قرآنی نماز بمقابلہ مائیکروفونی نماز، تفسیر سورہ فاتحہ وسورہ بقرہ در زبان انگریزی، کیا آپ جانتے ہیں، گھر آنگن میلاد، وغیرہ

نسبت نامہ والد کی طرف سے یوں ہے۔ سید آل رسول حسنین بن سید آل مصطفےٰ بن سید بشیر حیدر آل عبا اور والدہ ماجدہ کی طرف سے یوں ہے سید آل رسول حسنین بن سیدہ قیصر جہاں بیگم بنت اور حضرت کی دادی صاحبہ کا نام سید شہر بانوں بیگم ہے۔

جن حضرات سے آپ نے تعلیم حاصل فرمائی ان اساتذہ کے نام اس طرح جو مجھے معلوم ہیں۔

حضور سید العلماء مارہروی علیہ الرحمہ و حضور احسن العلماء مارہروی علیہ الرحمہ و حضرت سید دلشاد حسین صاحب قبلہ بن ڈاکٹر سید ریاست حسین علیاباد ی وغیرہم

بیعت وخلافت حضور سید العلماء سے حاصل ہے اور حضور احسن العلماء نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

فن شاعری میں حضرت کے استاذ آپ کے والد ماجد حضور سید العلماء ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

وصالِ مصطفوی افتراقِ بولہبی

از: محمد میاں مالیگ،
35 Seymour Road, old bury, B 69 4 EP ENGLAND

۱۵ر اگست ۲۰۰۳ء کے ہفت روزہ ''عوامی آواز'' مالیگاؤں اور ۳۰ر اگست ۲۰۰۳ء کے ''لوک عدالت'' مالیگاؤں میں میری کتاب ''مولانا! اندھے کی لاٹھی'' پر عالی جناب مفتی آصف انجم صاحب ندوی ملی کا تبصرہ شائع ہوا ہے جس میں کسی حسن ظن کے سبب مجھے اپنے خاندان کا چشم و چراغ اور کتاب کو اردو کتب کے ذخیرے میں ایک مفید اضافہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ من آنم کہ من دانم۔ اس لیے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے تبصرے پر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ مفتی صاحب اپنے قیمتی خیالات سے مجھے ضرور متمتع فرمائیں گے۔

(۱) مفتی صاحب نے اپنے تبصرے میں مجھے بریلوی بھی کہا ہے اور عجلت پسند بھی۔ ''...... لہٰذا ان کی عدالت میں میرا استغاثہ ہے کہ دیکھیے! مولانا عبدالاعلیٰ صاحب درانی نے ۱۱ر نومبر ۹۶ء کے بعد میرے بار بار کے مطالبے کے باوجود نہ مجھے کوئی جواب عنایت فرمایا ہے نہ اپنے کیے ہوئے اس وعدے کو وفا کیا ہے کہ ہماری خط و کتابت کتاب کی شکل میں اب مالیگاؤں سے نہیں بلکہ برطانیہ سے شائع ہوگی اور ان کے خرچ سے شائع ہوگی لہٰذا ان حالات میں اگر میں نے اوبدا کر چھ چھ برس کے بعد اپنے خرچ سے کتاب شائع کر ڈالی ہے تو کس قانون اور کس آئین کے تحت میں تو عجلت پسند بن جاتا ہوں لیکن مولانا درانی صاحب بہر صورت اور بہر حال بے گناہ اور بے قصور ہی رہتے ہیں اپنے دونوں وعدے پورے نہ کرنے کے باوجود؟ ...... رہ گئی بات میرے بریلوی ہونے کی؟ ...... تو واضح ہو کہ بریلوی ہونے یا بریلوی کہے جانے کو میں اپنے لیے باعث فخر و انبساط سمجھتا ہوں۔ یہ خصوصیت میرے لیے باعث ننگ و عار ہرگز نہیں۔ بلکہ میری تو حسرت اور تمنا ہے کہ ...... قبر میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور میدان حشر میں اللہ رب العزت بھی مجھے بریلوی تسلیم کرلیں تو زہے نصیب۔ لیکن بایں ہمہ اس موقع پر میں مفتی صاحب سے یہ ضرور دریافت کروں گا کہ آپ مجھے مکی و مدنی یا بیت المقدسی و بغدادی یا اجمیری و لاہوری یا دہلوی و ملتانی سمجھنے کی بجائے بریلوی کیوں سمجھ رہے ہیں؟ اس لیے کہ میرے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ پیدائش تو ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء ہے جب کہ میں آج سے چودہ سو برس پیشتر گذر جانے والے حضرات خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات، صحابائے کرام اور تابعین و تبع تابعین عظام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے مومنین فضائل رسالت کی طرح اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارتا بھی ہوں اور ان سے مدد بھی مانگتا ہوں، ان کے وسیلے سے دعاؤں کو جائز بھی سمجھتا ہوں اور ان کو غیب کا عالم بھی سمجھتا ہوں، ان کے یافت کے دن بارہ ربیع الاوّل شریف کو عید و بقرعید سے بڑھ کر عید کا دن بھی سمجھتا ہوں اور ان کا اسم مقدس سُن کر انگوٹھے بھی چومتا ہوں۔ لہٰذا جواب عنایت ہو کہ آپ مجھے مدنی یا مکی سمجھنے کی بجائے بریلوی کیوں اور کیسے سمجھ رہے ہیں؟ دراں حال کہ میں مکے اور مدینے میں سوا مہینے رہ چکا ہوں جبکہ بریلی شریف میں چوبیس گھنٹے بھی نہیں رہا ہوں۔ بلکہ ہماری اس بحث کو آپ اس طرح بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ وطن مالوف سے رغبت و الفت کے سبب میں نے نہ صرف یہ کہ اٹھارہ یا انیس برس کی عمر سے اس کی نسبت کو اپنے نام کا جزو لاینفک بنا رکھا ہے بلکہ مالیگاؤں کے مخفف مالیگ کا اختراع بھی کر لیا ہے پھر بھی تعجب ہے کہ آپ مجھے بریلوی قرار دے رہے ہیں۔ اور مالیگ کے ابداع کی کوئی قدر نہیں کر رہے ہیں مالیگانوی ہونے کے باوجود فیا للعجب۔

(۲) مفتی صاحب نے اپنے تبصرے میں اپنے مولانا سنبھلی صاحب کی تصدیق و تصویب کرتے ہوئے مناظرے کو زہر قاتل اور قابل نفرت عمل بھی تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ اگر واقعی صحیح اور درست ہوتا تو سنبھلی صاحب سے بہر صورت اور بہر حال درجوں بلند علم و فضل کے حامل حضرات علمائے کرام بلکہ خود سنبھلی صاحب کے والد ماجد دیوبندی مکتبہ فکر کے کسی زمانے میں سب سے بڑے مناظر نہ ہوتے بلکہ خود سنبھلی صاحب بھی ''بریلوی فتنے کے نئے روپ'' نامی کتاب میں اس قسم کی تعلیاں اور بڑھکیں نہ ارشاد فرماتے کہ ایک ارشد القادری تو کیا درجنوں درجن قادری مل کر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے، وہ ثابت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس موقع پر اگر ہم مفتی صاحب سے یہ سوال بھی کر لیں تو نا مناسب نہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بلکہ اللہ رب العزت جل جلالہٗ کے قول و عمل کو زہر قاتل اور قابل نفرت سمجھے تو آپ اس کی تصدیق فرمائیں گے یا تکذیب؟ یہ قاتل سوال ہم نے اس لیے اٹھایا ہے کہ ہمارے ناقص علم کے مطابق تو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی اقوام سے مناظراتی قسم کی گفتگو کی روداد قرآن پاک کے ورق ورق میں موجود ہے بلکہ ایک جگہ تو خود اللہ رب العزت کا ایک اولوالعزم رسول سے متعلق یہ سوال موجود ہے کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ کیا تم ایمان نہیں رکھتے (۲/ ۲۶۰) لہٰذا اپنے اس نظریئے پر مفتی صاحب نظر ثانی فرمالیں تو بہتر ہوگا ورنہ اس کی زد سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی بچ نہ سکیں گے۔

(۳) آگے چل کر مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''مناظرانہ بحث و مباحثہ خواہ زبانی ہو یا تحریری قطعاً مفید اور کارآمد نہیں ہوتا''۔ ...... اس لیے ان کی معلومات میں اضافے کے لیے عرض ہے کہ بلاشبہ ہماری

کتاب منکرین فضائل رسالت کے لیے قطعاً مفید و کار آمد نہیں لیکن مومنین فضائل رسالت اسے ایک ایسی کتاب قرار دے رہے ہیں جس کے قاہر و توانا یا ہلکے پھلکے سوالات کے جواب بات بات میں ان کو مشرک اور بدعتی قرار دینے والے احباب کبھی نہیں لکھ سکتے، کبھی نہیں تحریر کر سکتے، یا اگر لکھ سکتے ہوں تو انہیں اس سے بڑی خوشی حاصل ہوگی کہ۔

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

(۴) مفتی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ "مناظرے سے کبھی آدمی دین و شریعت تو کیا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی حد اعتدال سے نکل جاتا ہے اور زندیقیت و کفر کی حدود سے مس کرنے لگتا ہے" ...... اس لیے مفتی صاحب سے خدا کا واسطہ دے کر ہم ملتجی ہیں کہ ہمارے بارے میں تو آپ ضرور ارشاد فرمائیں کہ ہم کہاں کہاں حد اعتدال سے نکل کر کفر و زندیقیت سے مس کرنے لگے ہیں؟ اس کرم فرمائی کے بدلے ہم زندگی بھر مفتی صاحب کے ممنون رہیں گے جیسا کہ اپنی کتاب میں بھی ہم نے بار بار یہی کچھ لکھا ہے۔ بلکہ لگے ہاتھوں مفتی صاحب اگر یہ بھی کرم فرما دیں تو سونے پر سہاگہ ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو محدود، مقطوع اور مبدوع قرار دے دینا، یا طاہر القادری کے خیالات سے لاعلم سمجھنا، یا اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے زیادہ افضل اور باوقعت مخلوق سیدنا محمد عربی ﷺ کو افضل البشر نہ سمجھنا یا یہ لکھنا کہ زندہ انسانوں سے مدد مانگنے کے شرک ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا الحاد و زندقہ، کفر و بدعت اور اعتدال کی حد سے نکل جانا ہے یا نہیں؟؟ بلکہ ہماری چار سو صفحات کی گفتگو کے نقطۂ عروج اور ماحصل...... منکرین فضائل رسالت سے یہ مطالبہ کرنا کہ غیر اللہ کی عبادت کی طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا بھی اگر واقعی شرک عظیم، شرک صریح اور شرک مبین ہے تو پوری کائنات سے صرف اور صرف ایک ایسا موحد حقیقی ے لوگو! پیش کر دو جس نے کبھی بھی کسی بھی گیر اللہ سے کوئی بھی مدد نہ مانگی ہو ہم آپ لوگوں کو سچا تسلیم کرلیں گے ...... کے بارے میں مفتی صاحب وضاحت فرمائیں کہ یہ الحاد ہے زندقہ ہے کفر ہے؟ شرک ہے یا کیا ہے؟ بڑا ہی کرم ہوگا۔

(۵) منکرین فضائل رسالت سے فضائل رسالت کے اقرار و اعتراف کی ہماری دعوت دینے والی بحث کو مفتی صاحب نے بڑی بے دردی سے مال اور وقت کو ضائع کرنے کے مترادف بھی قرار دیا ہے۔" ......

اس لیے ان سے استصواب ہے کہ یہ بات اگر واقعی سچی اور درست ہے تو بتائیے کہ قرآن کریم میں منکرین فضائل رسالت کے اعتراضات کا جواب دینا یا رسول پاک ﷺ کا منکرین فضائل رسالت کی ہفوات کے جواب میں منبر شریف بچھوا کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نعت شریف سننے کا مطالبہ فرمانا، یا حضرات خلفائے راشدین و عشرۂ مبشرہ اور صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا منکرین فضائل رسالت عبداللہ بن ابی، مسلمہ کذاب، اسود عنسی اور سجاح حجازی وغیرہ سے جہاد فرمانا کیوں اور کیسے بے

دردی سے مال اور وقت کا ضیاع نہ ہوگا؟ پھر کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف ایک فضیلت رسالت کے منکر کے دس دس عیوب کھول کھول کر نہیں بیان فرمائے ہیں؟ اگر ہاں! تو پھر آپ اسے کیا کہیں گے؟

(٦) مفتی صاحب نے ہماری کتاب کو قابل نفرت، زہر ہلاہل، غیر مفید، بیکار، حد اعتدال سے بڑھی اور کفر و زندقہ کی روشن مثال قرار دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "بارہ سال کے طویل عرصے پر محیط اس مراسلت کا نتیجہ کیا رونما ہوا؟ ایک فریق بھی اپنے مسلک کے خلاف کوئی بات قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا" ......
اس لیے یہاں بھی ان سے ہمارا سوال ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس سیکڑوں مکان، پاور لوم اور ملکیتیں ہوں پھر اس کے دو بیٹے بھی ہوں اب اس شخص کے انتقال کے بعد ایک بیٹا سارے مکانات سارے پاور لوم اور ساری ملکیتوں کا مالک بن بیٹھے اور اپنے کمزور حقیقی بھائی کو کچھ بھی نہ دے بلکہ اس کے مطالبے اور فریاد و آہ و بکا کے جواب میں اپنے زور بازو اور غنڈوں اور داداؤں کے بل بوتے پر اسے قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا بھی کر رکھے تو بتایئے کہ ان حالات میں کیا آپ یہ ارشاد فرمائیں گے کہ چونکہ ظالم بھائی اپنی غلطیوں کے تسلیم پر رضا مند نہیں، وہ اپنے آپ کو ہی برحق اور صراط مستقیم پر گامزن سمجھتا ہے لہٰذا مظلوم بھائی کا واویلا اور فریاد و آہ و بکا الحاد ہے زندقہ ہے وقت اور مال کا ضیاع ہے بیکار اور غیر مفید ہے زہر قاتل اور قابل نفرت عمل ہے، اگر نہیں؟ تو پھر ہم مظلومین اور ہم کو مشرک و بدعتی اور جہنمی و دوزخی ہونے کی گالی دینے والے ان ظالمین کو ایک ہی لکڑی سے کیوں آپ ہانک رہے ہیں؟ یکساں کیوں قرار دے رہے ہیں؟ اندریں حالات کیا ہم یہ کہنے میں حق بجانب نہیں؟ کہ۔ ضد کا انکار کا نہیں موقع، حق کے اقرار کا ہے آج محل، تک رہا ہے بڑی توقع سے، پیار کا شاہکار تاج محل۔ یا یہ کہ۔ کوئی موصوف سے ذرا پوچھے، روگ ایسے لگائے کیوں بھائی! گو ہمیں سامنے پہ ہے صدمہ، اتنے دشمن بنائے کیوں بھائی! ...... یا یہ کہ۔ ظلم پر ہیں کچھ اس طرح خاموش، جیسے خود ظلم کے ہوں شارح بش، جارحیت سے چشم پوشی نے، کر دیا جارج بش کو جارج بش...

(٧) پھر آگے چل کر مفتی صاحب رقم طراز ہیں کہ "ہر دو فریق کو شکایت ہے کہ جواب دینے والے نے اصل موضوع کو چھوڑ کر دوراز کار باتوں اور دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے قائم کیے گئے اشکالات اور سوالات کا صاف صاف جواب دینے سے گریز کیا ہے" ...... اس لیے مفتی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہماری کتاب زبانی گفت و شنید نہیں تحریری بات چیت ہے لہٰذا آپ تحریر فرمائیں کہ سنبھلی صاحب اور شاہین صاحب نے کہاں کہاں یہ لکھا ہے کہ میں نے اصل موضوع کو چھوڑ کر دوراز کار باتوں اور دلائل کے انبار تو لگا دیئے ہیں لیکن میرے خلاف قائم کیے گئے ان کے سوالات و اشکالات کے صاف صاف جواب سے گریز کیا ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اس لیے کہ ہمیں تو تلاش بسیار کے باوجود

دونوں حضرات کی تحاریر سے ایسی کوئی عبارت مل نہیں سکی ہے۔ رہ گئی بات درانی صاحب کی، تو اس خصوص میں عرض ہے کہ بلاشبہ درانی صاحب نے مجھے بار بار اور بہت زور دے دے کر یہ لکھا ہے کہ میں ان کے سوالات و اشکالات کے صاف صاف جواب نہیں دے رہا ہوں لیکن چونکہ ان کے سوالات و اشکالات شیعیت یا بریلویت یا قوالی یا مزارات پر ہونے والی خرافات سے متعلق ہیں جو ہمارا موضوع سخن ہرگز نہ تھے اس لیے قصداً اور عمداً میں نے اس وضاحت کے ساتھ انہیں ان کے کوئی جواب نہیں دیئے ہیں کہ یہ چونکہ ہمارا موضوع ہیں ہی نہیں اس لیے جب تک شرک و بدعت سے متعلق میرے سوالات و اشکالات کے جواب دے کر درانی صاحب مجھے مطمئن نہ کردیں گے یا بصورت دیگر حسب وعدہ اپنے خرچ سے ہماری تحریری گفتگو کو کتابی شکل میں شائع نہ کردیں گے میں کسی دوسرے موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرونگا۔ لیکن درانی صاحب میرے بار بار کے مطالبے کے باوجود شرک و بدعت سے متعلق نہ جانے کیوں مجھے کچھ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ اب تو چھ چھ برس ہونے والے ہیں بریلویت و شیعیت یا قوالی و مزارات پر بھی کچھ نہیں ارشاد فرما رہے ہیں۔ شاید خداوند کریم کے کرم اور رسول رحمت ﷺ کے صدقے میں نے انہیں ایسے شکنجے میں کس لیا ہے کہ وہ اب نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی منزلوں سے گذر رہے ہیں۔ جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ وہ مجھے بار بار یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ میں ان کے سوال ''کیا آپ واقعی اللہ کو پکارنے اور غیر اللہ کو پکارنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے؟ کوئی جواب نہیں دے رہا ہوں ۔ الہ و غیر الہ کی پکار میں..... نزے در! زمین و عرش سے بڑھ کر ہے فرق اور دوری، جیسا شعر لکھ بھیجنے کے باوجود یا اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو مفتی صاحب ہی درانی صاحب سے کہیں کہ وہ خدا کے لیے شرک و بدعت کے عنوان پر مجھ سے دوبارہ گفتگو شروع فرمائیں۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔

(۸) مفتی صاحب نے یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ'' ہماری کتاب میں جوش مناظرہ میں کہیں کہیں بعض سوقیانہ اور بازاری الفاظ بھی زبان قلم پر آگئے ہیں جس کے نتیجے میں کتاب کا معیار قدرے گھٹ گیا ہے''

..........بات چونکہ مفتی صاحب نے چھیڑ ہی دی ہے لہٰذا نقل فسق فسق نباشد کے تحت ہم یہ وضاحت کر ہی دیں کہ صفحہ ۱۳۳ پر ہم نے قد مچے کا استعمال صرف اور صرف منکرین فضائل رسالت کی ضد، ہٹ دھرمی اور کبر و نخوت کے سبب وہ بھی اپنے جذبات سے کافی نیچے اتر کر کیا ہے ورنہ قد مچے والے جملے کی جگہ ہم۔

قد مچے سے ہے اب تو سابقہ ہشیار مولانا! یہاں تک آنے والوں کا نکل جاتا ہے بولانہ

جیسا شعر بھی لکھ سکتے تھے جو ہمارے اس صفحے پر موجود قاہر وتوانا سوال کے تیور کے عین مطابق اور بالکل بر محل ہوتا لیکن قارئین کے ذوق سلیم بدمزہ اور کرکرہ بھی کر جاتا لہٰذا ہم نے اسے اپنی تحریر سے خارج کردیا تھا...... ایسے ہی صفحہ ۳۱۹ پر شاہین اور شیر کے عمل زوجیت کی گفتگو بھی ہم نے بادل ناخواستہ اور مجبوراً کی

ہے ورنہ دیکھئے ناں! یہ بات، تعجب خیز ہے یا نہیں کہ کتے کی ایک برائی کے سبب ''سگ مدینہ'' کی اصطلاح پر تو منکرین فضائل رسالت خوب خوب ناک بھوں چڑھا رہے ہیں لیکن اس کی دوسری خوبی۔ وفاداری۔ کی کوئی قدر نہیں کر رہے۔ جب کہ دوسری طرف شیر اور شاہین کی ایک خوبی کے سبب خود تو شیر پنجاب اور قبال کا شاہین بننے پر فخر کر رہے ہیں لیکن ان کی بدخلقیوں کا ذرا بھی برا نہیں منا رہے ہیں گویا وہی بات کہ جس مخلوق اور جس غیر اللہ سے عقیدت و محبت ہے انہیں ان کا شیر اور ان کا شاہین بننا تو ہر طرح گوارہ ہے لیکن جیسے ہی آمنہ کے لال انیسِ بیکساں اور چارہ سازِ دردمنداں ﷺ کی بات آتی ہے ہر عقیدت، ہر محبت اور ہر نسبت شرک بنادی جاتی ہے، بدعت ہو جاتی ہے۔ جہنمی، دوزخی اور ناری عمل ٹھہرادی جاتی ہے تو یہ آخر کہاں کا عدل اور کہاں کا انصاف ہے؟ نجد کا؟ یا دیوبند اور ندوے کا؟؟ ...... پھر ہماری اس گفتگو کو مفتی صاحب اس طرح بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ منکرین فضائل رسالت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پڑھ پڑھ کر ایک طرف تو بہت زور دے کر خود کو رسول اللہ ﷺ کا سا عظیم الشان انسان، اور اس عظیم الشان انسان ﷺ کو اپنا سا بے وقعت اور کمترین بشر قرار دینے پر بضد بلکہ مناظرہ کناں رہتے ہیں جب کہ دوسری طرف مومنین فضائل رسالت جب انہیں قرآنی آیت وما من دآبة فی الارض ولا طآئر یطیر بجنا حیه الاامم امثالکم (۶/ ۳۸) پڑھ کر کتے بلی اور چوہے وغیرہ وغیرہ کا سا قرار دیتے ہیں تو نوحہ کناں بلکہ مائل بہ جدل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ جیسے قرآن پاک کی آیت نمبر (۶/ ۴۱) میں۔ مثل کم۔ کا لفظ موجود ہے بالکل ویسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر آیت نمبر (۶/ ۳۸) میں لفظ ''مثل کم'' کی بجائے ''امثالکم'' موجود ہے لیکن بس ایک ضد اور ہٹ دھرمی ہے جس سے وہ دستبردار ہونے کے لیے کسی صورت تیار نہیں ہو رہے ہیں پھر مثلکم کی بات چل نکلی ہے تو ۲۵ر ستمبر ۲۰۰۳ء کے جنگ لندن میں علامہ اقبال سے عقیدت ومحبت پر مشتمل مولانا مودودی کے شائع شدہ ایک خط کے چند جملے مفتی صاحب بھی ملاحظہ فرمالیں تا کہ پتہ چلے کہ کس کو کس سے کتنی عقیدت اور کتنی محبت ہے؟ مولانا لکھتے ہیں کہ ''میں اس کو اپنی انتہائی بدنصیبی سمجھتا ہوں کہ اس شخص کی آخری زیارت سے محروم رہ گیا جس کا مثل شاید اب ہماری آنکھیں نہ دیکھ سکیں گی۔'' ...... لہٰذا مفتی صاحب ٹھنڈے دل و دماغ سے ملاحظہ فرمائیں کہ منکرین فضائل رسالت کا ایک طرف تو اپنے ممدوحین کے ساتھ حسن عقیدت ومحبت کا یہ عالم ہے جب کہ دوسری طرف جیسے ہی آمنہ کے لال امام الانبیاء فخر رسولاں ﷺ کی بات آتی ہے بالکل یہی لوگ ان کا کلمہ پڑھنے کے باوجود پوری طاقت وقوت سے یہ کہتے اور لکھتے نہیں تھکتے کہ وہ ﷺ بالکل ہماری مثل ہیں اور ہم ان کی مثل۔ انا للہ وانا الیہ راجعون تو کیا کہنے والے نے کسی ایسے ہی موقع پر نہ کہا ہوگا یہ قطعہ کہ۔

دماغوں میں موجودہ حالات پر کئی کلبلاتے سوالات ہیں

مفر ان سوالات سے محال یہ حالات ہیں یا محالات ہیں؟

یعنی کیا رسول اللہ ﷺ کا درجہ علامہ اقبال سے کم تر اور علامہ اقبال کا درجہ رسول اللہ ﷺ سے برتر ہے؟ لیکن اصل دکھ تو یہ ہے کہ منکرین فضائل رسالت ان اقسام کے سوالات کے جواب ہی کب دیتے ہیں گویا یہ جن معاملات پہ لب کھولنا جہاد، وہ ان معاملات میں لب کھولتے نہیں ☆ معلوم ہے انہیں یہاں سچائی کا صلہ، سچ اور صدق اسی لیے وہ بولتے نہیں، یا پھر میں یہ سب کچھ بکواس کر رہا ہوں؟

(۹) مفتی صاحب نے اپنے تبصرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''دین کی خدمت یا قوم و ملت کے مفاد کے اعتبار سے ہماری کتاب کو کوئی وقیع اور مہتم بالشان کارنامہ قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ یہ کتاب صرف مسلکی تعصب و تشدد میں اضافے کا باعث ہوگی جب کہ اسلام میں شدت و تعصب ہرگز روا نہیں''...... یہاں بھی مفتی صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ امریکہ و برطانیہ اور اسرائیل و بھارت اگر اپنی قوتِ بازو کے سبب بلاوجہ ہی عراق و فلسطین، ایران و افغانستان اور انڈیا و پاکستان کے مسلمانوں کے مال و جان، عزت و آبرو اور آن بان سے کھیلتے رہیں ان کی املاک و اولاد پر آسمانوں سے بمباری کرکے آگ برساتے رہیں، ماں بہنوں کی عصمتیں لوٹیں تو کیا پھر بھی آپ ان مظلوم مسلمانوں کو اپنے دفاع و تحفظ کے لیے صف بستہ ہونے پر فتنہ پرداز، غدار مکار اور فسادی قرار دیدیں گے؟ ان کو متعصب اور تشدد کہیں گے؟ اگر نہیں تو پھر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ درانی صاحب تو مدیر راوی کے ایک نہایت ہی معقول اور مفید مشورے کا برا منا کر بلا وجہ ہی ساری دنیا کی ساری ہی مساجد کو نہایت ہی بے باکی سے شرک و بدعات اور خرافات کے اڈے قرار دیدیں بلکہ اس کے جواب میں اپنے دفاع کے لیے میری لب کشائی پر مجھے بھی طرح طرح سے للکاریں اور پھنکاریں۔ پھر بھی کتنا بڑا اندھیر ہے کہ آپ انہیں تو کچھ نہیں کہتے لیکن مجھ غریب کو متعصب، متشدد، غلط کار، خاطی، مفسد، فتنہ پرداز اور نہ جانے کیا کہا کے کہے چلے جا رہے ہیں تو کیا یہی انصاف ہے؟ یہی عدل ہے؟

میں آواز جرس ہوں پے بہ بے فریاد کرتا ہوں جگا دے آپ کو شاید یہی آہ و فغاں میری

...... پھر ہماری اس گفتگو کو مفتی صاحب اس نہج سے بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آج سے دو تین سو سال پہلے دنیا بھر میں مسلمانوں کے دو ہی مشہور و معروف فرقے تھے شیعہ اور سُنّی۔ جو آپس میں لڑ لڑ کر دو پہلوانوں کی طرح اتنے تھک چکے تھے کہ لکم دینکم ولی دین پر عمل پیرا ہو گئے تھے یعنی ان کی شادی بیاہ، موت میت، مساجد و مدارس اور سماجی و معاشرتی زندگی سب کچھ ایک دوسرے سے بالکل منقطع ہو چکے تھے جس کا نتیجہ تھا کہ ان کے اختلافات اپنی موت آپ مر چکے یا اپنے اپنے گھروں تک محدود ہو گئے تھے۔ لیکن برا ہو عیار و مکار انگریزوں کا جنھوں نے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا اور اس کے حصول کے لیے اپنی حکمت عملی سے ایسے علماء اور حکماء خریدنے لگے جو حکومت، بادشاہت اور سیم و زر کے

بدلے مسلمانوں کو اختلاف و انتشار کا زہر پلانے رضا مند ہوں۔ اب اسے مسلمانوں کی بد قسمتی اور انگریزوں کی خوش قسمتی کہیے کہ انگریزوں کو ایسے لالچی اور دنیا پرست علماء اور حکماء مل بھی گئے جنھوں نے بادشاہت حکومت اور دنیوی مال و دولت کے عوض کتابیں لکھ لکھ کر مسلمانوں کو لڑانا شروع کر دیا اور ایسے ایسے غلط سلط اور من گھڑت اصول و ضوابط ابداع و اختراع کیے کہ ساری کائنات سے کوئی ایک متنفس بھی مومن اور مسلمان باقی نہیں رہ جاتا۔ سارا عالم ہی کسی نہ کسی صورت مشرک بدعتی جہنمی دوزخی اور ناری بن جاتا ہے۔ کتاب التوحید، تقویت الایمان، تذکیر الاخوان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، حفظ الایمان، بہشتی زیور، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ اور مرزا غلام احمد قادیانی کی اکثر کتابیں اسی قبیل کی ہیں۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ مفتی صاحب مسلمانوں کے اتفاق میں آگ لگانے والی ان زہریلی کتابوں کو تو بخشتے رہے ہیں لیکن ان کی تغلیط اور اپنے دفاع میں پیار و محبت کی زبان میں لکھی جانے والی کتاب "مولانا! اندھے کی لاٹھی" کو فتنہ پرداز، مفسد اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں بلکہ ؎ مصلحین وطن کے تعمیری، کام گنوائے کس طرح درویش، چند بنگلوں کا تذکرہ ہی کیا، یہ تو بنوا چکے ہیں بنگلہ دیش کے مطابق ہم مفتی صاحب سے پوچھ ہی لیں کہ آج سے تقریباً چالیس سال پہلے منکرین فضائل رسالت جب ایک شریف زادے محمد پالن حقانی کو ان کی سریلی آواز اور بے پناہ قوت یادداشت کے سبب اپنے کاندھوں پر اٹھائے پورے ہندوستان خصوصاً گجرات، مہاراشٹر، یوپی، بمبئی، کلکتہ اور بھیونڈی کے نگر نگر اور ڈگر ڈگر پھر رہے تھے آگ لگاتے، اور پورے گجرات کے مفتی بڑودہ میں جمع ہوکر ان کی موٹی تازی کتاب "شریعت یا جہالت" کو پھر بھی امن کی فاختہ قرار دے رہے تھے تو کیا آپ نے یا آپ کی جماعت کے کسی ایک فرد نے بھی مسلمانوں میں آگ لگانے والی اس کتاب بلکہ اس مقرر کو بھی مفسد، فتنہ پرداز اور باغی قرار دیا تھا؟ اگر ہاں! تو ثبوت پیش کیجئے ہم اس خصوص میں آپ سے معافی مانگ لیں گے ورنہ وجہ بیان فرمائیں کہ منکرین فضائل رسالت مسلمانوں کو مشرک، بدعتی، جہنمی اور دوزخی ہونے کی گالیاں لکھیں تو جائز و روا کیوں؟ اور کیوں اپنی مدافعت میں ہم آہ بھی کریں تو فتنہ پرور، مفسد اور باغی بن جاتے ہیں؟ ؎ مدتوں سے حل طلب ہے یہ سوال، کب چمن میں آئے گی صبح جمال، کٹ گئیں صدیاں کئی ایام کی، اور اب کتنے لگیں گے ماہ و سال؟ ؎ کابل و بابل کے جراح و طبیب، کیوں نہیں کرتے علاج تل ابیب؟ ہے عجب دیوانگی میں مبتلا، ان کا امریکہ یہودوں کا نقیب۔ ؎ فلسطین کی حالت زار آہ، شدائد سے پیر و جواں چور ہیں، خواتین تک تنگ آ کر وہاں، گھروں سے نکلنے پہ مجبور ہیں۔ کیا نہیں؟

پھر یہ حقیقت بھی تعجب خیز اور افسوس ناک ہے یا نہیں؟ کہ قرآن کریم نے تو ایک مناظرے کی روداد بیان کرتے ہوئے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال اور مطالبے (مفہوم) "میرا رب

وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر بتا''۔ (۲/ ۲۵۸) کے جواب میں نمرود کے مبہوت رہ جانے کو اس کی شکست مبین قرار دیا ہے لیکن مفتی صاحب بالکل اسی طرح کے ہمارے سوال اور مطالبے۔ ''غیر اللہ سے مدد مانگنا اگر شرک ہے واقعی تو اے لوگو! ساری کائنات سے صرف اور صرف ایک ہی ایسا موحد خالص بتا دو جس نے کبھی بھی کسی بھی غیر اللہ سے کوئی بھی مدد نہ مانگی ہو ہم آپ حضرات کو سچا مان لیں گے'' ...... کے جواب میں منکرین فضائل رسالت کے ساکت وصامت اور مبہوت رہ جانے کے باوجود انہیں برحق سچا اور ہمیں مفسد و فتنہ پرداز اور نجانے کیا کیا کہہ رہے ہیں، تو کیا یہی عدل ہے؟

(۱۰) اپنے تبصرے کو ختم کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرقہ بندی کی مذمت میں حضرت علامہ اقبال کا سہارا لے کر وعظ و نصیحت بھی فرمائی ہے لہٰذا ہم بھی علامہ کو پیش کر رہے ہیں تاکہ حساب بے باق رہے علامہ کے تین اشعار کا مفہوم ہے کہ ''دیوبند کے منبر سے ملت کے وطن سے بننے کی بوالعجبی بھری بانسری بجانے والے حسین احمد! آپ مقام محمد عربی ﷺ سے بے خبر ہیں اس لیے میں آپ سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو مصطفیٰ پیارے ﷺ تک پہنچائیں اس لیے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو ان تک نہ پہنچایا تو بولہبی کے مکمل نمونہ بن جائیں گے ایسا اس لیے ہوگا کہ محمد عربی ﷺ ...... دیں ہمہ اوست...... ہیں۔ ......پھر اسی دین کی اہمیت بالفاظ دیگر علامہ یوں بھی بیان فرماتے ہیں کہ ''دین کو ہاتھ سے دے کر (منکر فضائل رسالت بن کر؟) ملت اگر آزاد ہو جائے تب بھی اس تجارت میں مسلمان کا خسارا ہوگا'' ...... جب کہ ہم سمجھتے ہیں کہ مفتی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کوئی کلمہ گو منکر فضائل رسالت بن جائے تو بننے دیا جائے اور اس سے کوئی تعارض نہ کیا جائے تاکہ اتحاد و اتفاق برقرار رہے، تو کیا یہ علامہ صاحب کی تحلیل و تردید اور تغلیط و تکذیب نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ بلکہ سنئے تو، اس سلسلے میں علامہ صاحب اور بھی کیا کیا فرما گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز، چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
؎ یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو؟ وصال مصطفوی افتراق بولہبی
؎ کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی، جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی
؎ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری، کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری
؎ حقیقت ابدی ہے مقام شبیری، بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی
؎ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم، سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
؎ باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے، شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول
؎ دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا، سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری! حیات و خدمات

مرتبہ : غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

خطۂ مردم خیز 'پنجاب' گہوارۂ علم وفن رہا ہے، جہاں اولیائے کرام نے روحانیت و معرفت کی شمعیں روشن کیں۔ صوفیاء نے اپنے پاکیزہ افکار سے معاشرے میں صالحیت کی جوت جگائی۔ اہل علم نے حکمت و دانائی کے گوہر لٹائے۔ دنیائے علم و تحقیق کی تاباں شخصیت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ر اگست ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی جید عالم اور ممتاز طبیب تھے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے قرآن پاک ناظرہ قاری کریم بخش سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں حاصل کی، عربی صرف و نحو مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی سے پڑھی۔ مولانا محمد عالم آسی سے بھی فیض پایا۔ والد ماجد سے ''مثنوی معنوی رومی'' کے اسباق پڑھے اور علم طب کی تحصیل کی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ لاہور چلے گئے وہیں مطب کیا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، بیسویں صدی کی عظیم شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی کے علمی و دینی کارناموں سے بہت متاثر تھے۔ ۱۹۶۸ء میں ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور کی بنیاد رکھی۔ اہل علم کو امام احمد رضا کے کارناموں سے روشناس کرایا اور تحریر و تحقیق کی طرف مائل کیا۔ امام احمد رضا کے پاکیزہ افکار کے فروغ کے لیے مجلس کے ماتحت ہر سال ''یوم رضا'' کا انعقاد ہونے لگا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی کاوشوں کے نتیجے میں امام احمد رضا پر علمی سطح پر کام کا دائرہ وسیع ہوا۔ اہل قلم امام احمد رضا پر تحقیقی کام کے لیے راغب ہوئے بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد :-

''حکیم صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہر کام کرنے والوں کی ترغیب و تشویق فرمائی اور فقیر سمیت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر بہت سے لکھنے والے پیدا ہوئے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا نام اور کام جدید علمی دنیا میں عالمی سطح پر روشن ہوا۔ پاک و ہند میں بہت سے ایسے ادارے بھی قائم ہوئے جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر خوب کام کر رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے براہ راست ان اداروں کی مدد نہ کی ہو مگر جو تحریک انہوں نے چلائی اور جو فضا انہوں نے ہموار کی، اس کے نتیجے میں علمی بیداری پیدا ہوئی''۔

(پروفیسر محمد مسعود احمد، ماہنامہ جہان رضا لاہور، حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ص ۵۲،۵۱)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مجلس رضا کے حوالے سے لکھتے ہیں ''ایشیاء میں'' رضویات'' پر تحقیقی کام کرنے والا سب سے قدیم ادارہ پاکستان میں ہے جو ''مرکزی مجلس رضا'' کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا

ہے۔ اس کا صدر دفتر لاہور میں ہے۔ ادارہ کے بانیوں میں نقیب اہل سنت حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا نام نامی سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ موصوف نے ادارہ کے ذریعہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت، ان کے علمی کمالات، ان کی تصنیفی خدمات، ان کے زہد وتقویٰ، ان کے مقام عشق وعرفان اور ان کے تجدیدی کارناموں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو روشناس کرایا۔"

(علامہ ارشد القادری، تقدیم امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، ص ۱۷)

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ایماء پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اعلیٰ حضرت پر پہلا مقالہ "فاضل بریلوی اور ترک موالات" لکھا جسے مجلس رضا نے ہزاروں کی تعداد میں ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔ ۱۹۷۳ء میں مسعود ملت کا دوسرا مقالہ "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" شائع کیا پھر تو کام کی رفتار میں تیزی آگئی اب تک ۱۸ر لاکھ سے زائد لٹریچر مرکزی مجلس رضا نے رضویات پر شائع کر کے بلا قیمت تقسیم کیے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں مجلس رضا نے ماہنامہ "جہان رضا" جاری کیا۔ یہ ماہنامہ اب تک باقاعدہ نکل رہا ہے۔

خلوص ولگن اور حسن نیت نے حکیم اہل سنت کو مسلکِ اعلیٰ حضرت کے فروغ میں کامیابی عطا کی۔ حکیم اہل سنت طبیب جسم ہی نہیں طبیب دل تھے۔ ان کے مطب میں آنیوالا روحانی وعلمی کیفیتوں سے سرشار ہو جاتا۔ اہل علم ان کی مجلس میں اپنے اپنے لاینحل علمی اشکالات پیش کرتے اور تحقیقی گوہر پا کر شاد ہو کر اسیر مجلس بن جاتے۔ ان کا مطب دبستانِ علم وفن تھا۔ مواد کی فراہمی میں اسکالر حضرات کی بھرپور معاونت فرماتے۔ تصوف سے شغف تھا۔ انگریز اسکالر بھی آپ سے تصوف کے موضوع پر ماخذ کے حصول کے لیے رجوع کرتے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

"حال ہی میں امریکہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بوہیلر نے صوفیائے کرام پر اپنی ایک انگریزی کتاب عنایت کی جس میں حکیم صاحب کا ذکر بھی ہے۔"

(ماہنامہ جہان رضا کا حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر، ص ۵۱)

پروفیسر آرتھر بوہیلر نے ہارورڈ یونیورسٹی میں اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسز (Thesis) کے ابتدائیے میں لکھا ہے "تصوف سے متعلق کون کون سی کتب لکھی گئی ہیں اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں اس مشکل کا حل پاکستان میں صرف ایک شخصیت حکیم صاحب (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) نے فرمایا جو کہ واقعی اسی موضوع سے متعلق زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں۔"

(بحوالہ: ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، جہان رضا کا حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر، ص ۱۸۱)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے کہا ہے۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

اس شعر کے پس منظر میں حکیم اہل سنت کی ذات عاشق صادق کے مقام پر فائز نظر آتی ہے۔ محبت رسول ﷺ کا فیضان تھا جس نے آپ کو امام احمد رضا کی خدمات کی جانب متوجہ کیا اور آپ نے امام احمد رضا کے علمی کمالات سے اہل علم وفضل کو واقف کروایا۔ ان کے پیغام ''محبت رسول ﷺ'' کو عام کیا۔ محمد ثناء اللہ بٹ نے اپنے مضمون ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور نعت رسول'' میں آپ کی محبت رسول ﷺ میں وارفتگی کا بھرپور تذکرہ کیا ہے۔

''ایک عظیم کتاب شناس'' کی حیثیت سے حکیم اہل سنت کو کتابوں سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ کے والد ماجد کی ذاتی لائبریری میں ۲۵ ہزار کتابیں تھیں جو تقسیم ہند کے فسادات میں جل کر ضائع ہوگئیں۔ حکیم اہل سنت کی لائبریری میں ۱۱ ہزار کتابیں تھیں جسے آپ نے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کو وقف کر دیا۔

آپ کی تحریک کے اثرات دور دور تک پہنچے۔ ریسرچ وتحقیق کے نئے نئے ادارے ''رضویات'' پر میدان عمل میں اترے۔ کراچی میں علامہ شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء) اور علامہ سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۲ء) نے جہان علم کا دبستان تحقیق ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' قائم فرمایا۔ عالمی سطح پر اس ادارہ نے امام احمد رضا کی شخصیت کا تعارف کروایا۔ بقول ماہر علوم شرقیہ علامہ شمس بریلوی ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' کا کمال ہے کہ اس نے اعلیٰ حضرت کے مقام کو صحیح سمت کے ساتھ دنیا کے سامنے متعارف کرایا''۔

(پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ملفوظات شمس، ص ۱۰۱)

محمد رضاء المصطفیٰ چشتی نے رضویات کے حوالے سے مجلس رضا کے ابتدائی دور میں حکیم اہل سنت سے ایک انٹرویو لیا تھا جس میں مولانا نیاز احمد مصطفوی اور محمد میاں مالیگ کے حوالے سے مالیگاؤں کا بھی تذکرہ حکیم اہل سنت نے اشاعتی کام کے ضمن میں کیا ہے۔

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ (بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور) سے حکیم اہل سنت کی مراسلت تھی جس کا تذکرہ علامہ مبارک حسین مصباحی نے اپنے مقالہ ''حکیم اہلسنت اور الجامعۃ الاشرفیہ'' میں کیا ہے۔ خلیفۂ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ نے حکیم اہلسنت کو خلافت سے نوازہ۔

حکیم اہل سنت تاریخ گوئی، مقدمہ نگاری، پیش لفظ میں خاص وصف رکھتے تھے۔ اہل قلم کی بڑی قدر کرتے۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں ''حکیم صاحب نے خود پاک و ہند کے قلم کاروں کو تلاش کر کے فاضل بریلوی پر لکھنے کے لیے تیار کیا۔ سنی رائٹرز گلڈ قائم کی جس میں ایک ہزار سنی قلم کاروں کو

رجسٹرڈ کیا گیا۔ باقاعدہ برانچنگ دی جانے لگی بہت سے پروفیسر، ایڈووکیٹ اور صحافی حلقۂ رضویت میں شامل ہونے لگے۔" (جہان رضا کا حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر، ص ۲۵)

مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، حکیم اہل سنت کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ مرکزی مجلس رضا کے چمنستان سے اس بلبل بوستانِ رضا نے عشق رضا کے وہ نغمے گائے کہ سارا چمن چہچہانے لگا۔

وہ چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا

لوگ جوق در جوق کوچہ رضا میں کھنچنے لگے، وارفتگی کشاں کشاں آستانِ رضا تک لے جانے لگی۔ (ایضاً ۴۵)

۷ار نومبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں حکیم اہل سنت کا وصال ہوا۔ مرکزی مجلس رضا کے موجودہ نگراں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ہیں جو ماہنامہ "جہان رضا" کے ایڈیٹر اور "مکتبہ نبویہ" لاہور کے مالک ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف، بلند پایہ مترجم اور افکار رضا کے فروغ میں منہمک ہیں۔ مرکزی مجلس رضا کے توسط سے مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علامہ مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور) نے مرکزی مجلس رضا کے اثرات کو ماہنامہ جہان رضا کے حکم محمد موسیٰ امرتسری نمبر (صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱) میں اچھوتے انداز میں قلم بند کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انہی تحسینی کلمات پر قلم کی جنبش ختم کرتا ہوں۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"مجلس رضا کی تحریک و دعوت اور نقشِ عمل پر ایشیاء و یورپ اور افریقہ امریکہ میں درجنوں ادارے قائم ہوئے۔ رضا اکیڈمی لندن، رضوی انٹرنیشنل سوسائٹی افریقہ، المجمع الاسلامی مبارکپور، رضا اکیڈمی بمبئی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، المجمع المصباحی مبارکپور، وغیرہ وغیرہ اور اب تو امام احمد رضا کا نام و کام اتنا دلکش اور مقبول انام ہوگیا ہے کہ مخالفین و معاندین بھی امام احمد رضا کی تصانیف بڑے چاؤ سے شائع کر رہے ہیں۔ دہلی میں قریب ۲۵ ناشرین "کنزالایمان مع خزائن العرفان" شائع کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے ہیں جو سب کے سب دیوبندی ہیں۔ چند دیوبندی ناشرین نے اپنے مکتبوں کا نام بھی نام رضا سے منسوب کیا ہے" مکتبہ رضویہ دہلی، مکتبہ رضویہ نوریہ دہلی اور رضا بک فاؤنڈیشن کا مالک بھی بریلوی نہیں ہے۔ لیکن ابھی سر کی آنکھیں کھلی ہیں دل کی آنکھیں نہیں کھلی ہیں۔ دل کی آنکھیں کھل گئیں تو پورا وجود نور ایمان سے جگمگا اٹھے گا اور ہماری آواز میں آواز ملا کر پکار اٹھیں گے۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

استاذ العلما علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی قادری علیہ الرحمہ

از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

2 - B - 5 /317 -L نارتھ کراچی، کراچی۔ 75850 (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۲۷/ر جمادی الآخر ۱۴۲۴ھ ۲۶/ر اگست ۲۰۰۳ء کی شب عالمِ اسلام میں یہ خبر نہایت ہی رنج وغم اور افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ محسن اسلام استاذ العلما حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری علیہ الرحمہ خالق حقیقی کے حضور تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

خبر انتقال، آنکھیں اشکبار اور دل بے قرار کرگئی۔ یقین نہ آتا تھا، سیّدی وسندی استاذی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی زبانی بھی سنا تو یقین ہوا۔ فقیر کی ان سے برابر مراسلت رہتی تھی، دوران تصنیف وتالیف پیش آنے والی اشکال پر فقیر آپ ہی سے رجوع کرتا اور بعض امور پر استفتاء بنا کر فتویٰ بھی حاصل کرتا۔ خبر وصال سے صرف دو روز قبل بھی آپ کا گرامی نامہ تشریف لایا جس کے ساتھ آپ کا ایک فتویٰ بھی تھا جس پر ۱۷/ر جمادی الآخر ۱۴۲۴ھ کے دستخط ہیں۔ کیا معلوم یہ حضرت مفتی صاحب کا آخری فتویٰ ہو۔

فقیر رات کو مدرسہ تعلیم القرآن فیض رضا، نارتھ کراچی میں اعزازی مدرس کی حیثیت سے تعلیم بالغان کے طور پر احباب کو قرآن مجید ناظرہ پڑھاتا ہے۔ تدریس روک کر قرآن خوانی کا اہتمام کیا اور فاتحہ خوانی کے بعد تین دن کی تعطیل کردی گئی۔ صبح فقیر حضرت مسعود ملت مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے بھی باہمی اظہار افسوس اور تعزیت کی۔ حضرت مسعود ملت نے فرمایا کہ مفتی صاحب کا جانا ایک بڑا نقصان ہے وہ بہت عظیم کام کررہے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی زیادہ تر زندگی درس وتدریس میں گذری۔ وہ خود تو مدرس تھے ہی مدرس ساز بھی تھے، ان کے فیض یافتہ تلامذہ بڑے بڑے اداروں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تحریری کام کرنے والوں کی بڑی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے حوالے سے کسی بھی تحقیقی وتصنیفی کام پر خوشی کا اظہار فرماتے اور مزید کام کرنے کی لگن اور

جذبہ پیدا فرما دیتے تھے۔

کسی صاحب نے فقیر سے متعلق آپ کو شکایتی وتنقیدی خط لکھا تو آپ نے فقیر کو تحریر فرمایا کہ کام کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ آپ کسی کے سوال و جواب اور جواب در جواب میں نہ پڑیں' جیسے پہلے کام کرتے تھے کرتے رہیں مخالفین و حاسدین خود ہی شرمندہ ہوکر خاموش ہوں گے کیونکہ فقیر ان سب مراحل سے گذر چکا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا ہر مکتوب ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا کر دیتا تھا۔ گذشتہ دنوں فقیر نے جدید فارسی زبان میں تخصص کی غرض سے خانۂ فرہنگ ایران میں بحیثیت دانش جو داخلہ لیا اور قبلہ مفتی صاحب کو دعا کے لیے عریضہ لکھا اور ایک عظیم خواہش کا اظہار کیا۔ تو آپ بہت خوش ہوئے' حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ابھی تک میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے کنزالایمان کا ترجمہ فارسی میں کیا ہو یا کر رہا ہو۔

وصال کے وقت آپ کی عمر ستر برس ہو چکی تھی مگر جوانوں کی طرح چاق و چوبند لگتے۔ ہر کسی سے خوش مزاجی کا مظاہرہ فرماتے۔ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی بات توجہ سے سنتے اور معقول مشورہ عنایت فرماتے۔ اصول کے پابند اور عہد کے پکے، جو کہ ایک مؤمن کی شان ہے۔ نہایت سادہ اور سفید لباس، حسن سے سنت کا نور اور علم کا جاہ و جلال نمایاں دکھائی دیتا۔ فقیر پر بڑا ہی کرم فرماتے تھے، جب جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور حاضری ہوتی تو دوسرے لوگوں سے یہ کہہ کہ تعارف کراتے کہ یہ میرے رضوی شیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت اور حبیب کریم ﷺ کی رفاقت وشفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

آپ ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ / ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو پاکستان کے صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کے علاقہ اپر تناول میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقہ ہی میں حاصل کی۔ ابتدائی فارسی اپنے چچا مولانا محبوب الرحمٰن سے پڑھی۔ تحصیل علم کے لیے معروف مراکز علم وفن دارالعلوم حزب الاحناف لاہور، جامعہ رضویہ مظہر اسلام ہارون آباد (بہاول نگر)، مدرسہ احیاء العلوم بورے والا (ضلع ساہیوال) اور دارالعلوم رضویہ مظہر اسلام (فیصل آباد) سے سیرابی حاصل کی۔ دورۂ حدیث محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رضوی اور مفتی اعظم پاکستان علامہ سید ابوالبرکات احمد شاہ قادری علیہم الرحمہ سے کیا اور ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سے اور ۱۹۵۶ء میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد سے سند فراغت اور دستار فضیلت کا شرف حاصل کیا۔ اساتذہ کرام میں علامہ سردار احمد رضوی، علامہ سید ابوالبرکات احمد شاہ قادری، مولانا محبوب الرحمٰن، مولانا محب النبی، مولانا سید محمد انور شاہ اور شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی جیسے اکابر شامل ہیں جن کی تربیت ومحبت نے خود آپ کو اکابر کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں حضرت

محدث اعظم پاکستان کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں شرف بیعت حاصل کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد قصور، فیصل آباد، سمندری پیر محل اور لاہور کے مدارس میں درس و تدریس کا شرف حاصل رہا۔ حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے حکم پر جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے منسلک ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ شروع شروع علامہ غلام رسول رضوی نے جامع مسجد خراسیاں لاہور میں ہی جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیاد رکھی تھی۔ حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال کے بعد وہ فیصل آباد چلے گئے اور تمام تر ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب کے سر آ پڑیں۔ آپ نے دن رات ایک کر کے جامعہ کو مسجد سے باہر نکال کر نمایاں کیا، متصل پارک کو جامعہ نظامیہ رضویہ کے نام کرایا اور یوں اس شاندار درس گاہ کا آغاز ہوا اور پھر جلد ہی دو منزلہ عمارت بھی تعمیر ہو گئی۔ آج یہ "جامعہ نظامیہ رضویہ" لاہور ایک عظیم دینی درسگاہ کا درجہ رکھتی ہے جو کہ پاک و ہند کے مدارسِ دینیہ میں نہایت ممتاز ہے اور اہل سنت کے لیے باعث فخر ہے۔ پاکستان کے اکثر اکابر علما یہیں کے فیض یافتہ ہیں۔ گذشتہ دنوں شیخو پورہ میں بھی جامعہ نظامیہ رضویہ کے نام ہی سے جدید طرز کی ایک شاندار یونیورسٹی قائم کی گئی جہاں ہزاروں طلبہ و طالبات کی تعلیم و تربیت کے علاوہ اساتذہ کرام کے لیے بنگلے اور طلبہ کے لیے نہایت آرام دہ ہاسٹل کا بھی انتظام ہے۔

۱۹۶۰ء میں اکابرین نے تنظیم المدارس الاسلامیہ پاکستان کے نام سے سُنّی مدارس کی ایک تنظیم قائم کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی، ۱۹۷۳ء میں شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری علیہ الرحمہ کے ارشاد پر آپ نے اسے فعال بنایا اور اس کے ناظمِ اعلیٰ نامزد کیے گئے۔ مدارس اہل سنت کو ایک نظم و نصاب کے تحت چلانے کے لیے ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا اور سب کو ایک لڑی میں پرو کر رکھ دیا۔ الحمد للہ آج تنظیم المدارس کے تحت تقریباً تین ہزار مدارس دینیہ عربیہ اشاعت علوم نقلیہ و عقلیہ میں مصروف ہیں۔ تنظیم المدارس کے تحت رجسٹرڈ مدارس کی سند کو حکومتی سطح پر ایم۔ اے کا درجہ دلوانے کے لیے آپ نے اپنے اثر و رسوخ سے ایوان قومی اسمبلی پاکستان اور ایوان سینیٹ آف پاکستان میں قرار دادیں منظور کرائیں اور آج تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی سند کو ایم۔ اے کا درجہ حاصل ہے۔

مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کی خاطر آپ جمعیت علماے پاکستان کا ہر محاذ پر ساتھ دیتے کچھ عرصہ لاہور کے صدر اور ناظم ونشر و اشاعت بھی رہے۔ مگر کار علمی کی مشغولیات کے سبب عملی سیاست میں برابر حصہ نہ لیا۔ ہاں علماے اہلسنت کی میدانِ سیاست میں بھر پور تائید و تعاون ضرور فرماتے تھے۔ تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ اور تحریک بحالیٔ جمہوریت میں جامعہ کے مدرسین و طلبہ کے ساتھ

بھرپور شرکت فرما کر انہیں کامیاب کیا۔

آپ کی ذات ہزاروں علما و طلبہ کے لیے مینارۂ نور تھی، ہر وقت اشاعت دین اور کار مسلک میں مگن رہتے، صبح سے شام تک یا تو جامعہ نظامیہ اور تنظیم المدارس کے امور میں لگے رہتے یا کسی ملکی و ملی مسئلہ میں مصروف ہوتے۔

آپ کے فتاویٰ علما و طلبہ اور عوام کے علاوہ ایوانِ حکومت کو بھی مستفیض کرتے تھے۔ متعدد عربی و اردو کتب کے علاوہ رضا فاؤنڈیشن کا قیام اور اس کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' کی جدید انداز میں ترتیب، تخریج، تراجم اور حواشی کے ساتھ ۲۷ مجلدات میں اشاعت آپ کا عظیم کارنامہ ہے، جس نے اہل سنت کے سر فخر سے بلند کر دیے ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہوگی جن میں مدرس بھی ہیں محقق بھی، مفسّر بھی ہیں محدث بھی، مفتی بھی ہیں مصنف بھی، قراء بھی ہیں مقرر بھی، علما بھی ہیں مشائخ بھی، فقراء بھی ہیں سیاستداں بھی، جن میں شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ حافظ عبدالستار سعیدی نظامی، علامہ مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی، مناظر اسلام علامہ عبدالتواب اچھروی، علامہ مفتی ہدایت اللہ، مولانا محمد طفیل نقشبندی وغیرہم نمایاں ہیں۔ اولادِ امجاد میں چار صاحبزادگان محمد سعید احمد، محمد عبدالمصطفیٰ، محمد عبدالمجتبیٰ، محمد عبدالمرتضیٰ اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔

آج کے دورِ قحط الرجال میں آپ کا چلا جانا دنیائے علم کے لیے خصوصاً اور عالم اسلام کے لیے عموماً ایک عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ممکن نظر نہیں آتی۔ رب کریم ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو اپنے جوارِ اقدس میں مقامِ رفیع عطا فرمائے۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کی رفاقت و شفاعت عطا فرمائے۔ ان کا لگایا ہوا علمی پودا یونہی تناور درخت کی طرح سرسبز و شاداب رہے اور چار دانگ عالم میں اس کا فیض جاری و ساری رہے۔ آمین ثم آمین
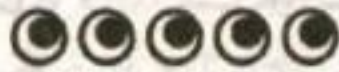
رودادِ پاکستان ۲۰۰۱ء (قسط اوّل)

(۲۲ر اپریل تا ۱۲ر مئی ۲۰۰۱ء)

از: محمد زبیر قادری

مَیں فون پر اپنی بات ختم کر کے ابھی پی سی او والے کے پیسے دینے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پوچھا، کیا آپ دیوبندی ہیں؟ اُس کے اس سوال پر مجھے حیرت ہوئی اور مَیں سمجھ نہیں پایا کہ آخر وہ کس بناء پر مجھے ایک بدعقیدہ سمجھ رہا ہے۔ پھر بھی مَیں نے کہا، جناب ابھی آپ نے سُنا ہوگا کہ مَیں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب سے بات کر رہا تھا پھر بھی آپ مجھے دیو کا بندہ کیوں سمجھ رہے ہیں؟ اُس نے بتایا کہ آپ کے سر کی زلفیں اور حلیہ دیکھ کر مجھے آپ پر دیوبندی ہونے کا گمان ہوا۔ خیر وضاحت ہونے پر ہمارے درمیان دوستی ہوگئی۔ مزید گفتگو ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ نوجوان سُنّی تحریک سے وابستہ ہے۔ اُس نے بتایا کہ سامنے ہی ہماری بیٹھک ہے۔ ہم سب احباب رات میں یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اور سُنّیت کے لیے کام کرتے ہیں۔ اُسی اثناء میں اُس کے اور بھی دوست وہاں آگئے۔ مجھے اُن لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔

اس وقت میں کراچی کے ایک پسماندہ علاقہ موسیٰ کالونی (نزد کریم آباد، لیاقت آباد) میں کھڑا تھا۔ گزشتہ رات ۲ بجے ۲۲ر اپریل ۲۰۰۱ء ممبئی سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچا تھا۔ اور صبح سب کاموں سے فراغت کے بعد سب سے پہلے مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کو فون کیا۔ اُن سے ملنے کو بہت بے چین تھا۔ حضرت سے جیسے ہی رابطہ ہوا میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ انہوں نے خیر و عافیت دریافت کی اور مجھے بتایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کونسی فلائیٹ سے آرہے ہیں۔ مَیں نے اپنے ایک بندے کی ڈیوٹی ایرپورٹ پر لگا رکھی تھی۔ اگر صحیح علم ہوتا تو آپ کو گھر تک پہنچنے میں کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ جب مَیں نے اُن سے ملاقات کرنے کا مُدّعا بیان کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے علاقہ کی مسجد فاروق اعظم میں یومِ مفتیٔ اعظم منایا جارہا ہے۔ آپ وہاں تشریف لائیں تو ملاقات ہوجائے گی۔ مَیں نے حامی بھرلی۔

آج کراچی کے مضافات میں دعوتِ اسلامی کے سندھ سطح پر ہونے والے اجتماع کا آخری دن تھا۔ جمعہ تا اتوار ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اپریل ۲۰۰۱ء اجتماع کی تاریخیں تھیں۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں بھی اس اجتماع میں شرکت کروں لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی بندہ نہیں ملا جو مجھے وہاں تک ساتھ لے جائے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی اکثریت اس اجتماع میں شرکت کے لیے جا چکی تھی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اجتماع

دوپہر میں ہی ختم ہوجائے گا اور وہاں تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگے گا تب مَیں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔
عصر بعد مَیں اپنے ماموں زاد بھائی عادل کے ہمراہ مولانا کوکب نورانی صاحب کے بتائے ہوئے پروگرام میں شرکت کے لیے روانہ ہوگیا۔ ہم وہاں ٹھیک مغرب کی نماز کے وقت پہنچے۔ مسجد کے باہر اور اطراف میں پروگرام سے متعلق بینرز لگے ہوئے تھے۔ مسجد بہت شاندار تھی۔ اذان ہوئی اور ہم نے بھی باجماعت نماز ادا کی۔ دعاء ثانی ہوتے ہی پروگرام شروع ہوگیا۔ یہ پروگرام وہاں کی ایک علاقائی تنظیم بزمِ عروج اسلام نے منعقد کیا تھا اور پروگرام حضور اختر رضا خاں ازہری میاں کے بہنوئی جناب شوکت میاں صاحب کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ مقررین میں حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب، علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب اور پروفیسر بدایونی صاحب کے نام تھے۔ قرأت، حمد و نعت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ بطور مخصوص نعت گو جناب زبیر مکی صاحب نے اپنے دل کو موہ لینے والے انداز میں نعتیں سنائیں۔ مَیں نے پہلی مرتبہ روبرو ان سے نعتیں سماعت فرمائی تھیں۔ زبیر مکی صاحب، حضرت شوکت میاں کے داماد ہیں اور اس طرح وہ حضور ازہری میاں کے بھی داماد ہوئے۔...... پھر تقریر کا آغاز ہوا۔ پروفیسر بدایونی صاحب کی تقریر دل پذیر شروع ہوئی کہ اسی اثناء میں علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب تشریف لائے۔ اُن کی نظریں مجھ پر پڑیں تو فوراً اشارہ سے منبر کے قریب بلایا۔ مگر مَیں نے انکار کر دیا کہ مَیں اسٹیج سے دور بھاگتا ہوں اور اسی لیے اپنی وضع قطع بھی ایسی رکھتا ہوں کہ کوئی اسٹیج پر نہ بلا سکے اور مَیں اس کے لائق بھی نہیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ تقریر ختم ہوتے ہی اناؤنسر نے اعلان کیا کہ جناب زبیر قادری صاحب، ایڈیٹر افکارِ رضا منبر کے پاس تشریف لائیں۔ مجبوراً مَیں تھوڑا آگے بڑھ کر علامہ کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر علامہ کوکب صاحب کی باری آئی۔ حضرت نے اپنے محبت بھرے انداز میں حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے عوامِ اہلِ سُنّت کو یہ ذہن دینے کی کوشش کی کہ ہمیں متحد ہو کر کام کرنا چاہیے، اتحاد کی بہت برکتیں ہیں۔ اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے سے ہی کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر علامہ شاہ تراب الحق نے بیان شروع کیا۔ اُنہوں نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حیات کے نادر و نایاب واقعات گوش گزار کیے۔ اس طرح مغرب تا عشاء کے مختصر وقت میں اتنا بھرپور اور مکمل پروگرام مَیں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سب مقررین کو موقع دیا گیا اور سب نے اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کیا۔ ہر تقریر کے بیچ ایک نعت گو سے نعت بھی سماعت کی گئی۔ آخر میں شجرہ شریف بھی پڑھا گیا۔ سب کچھ باقاعدہ نظم و ترتیب سے ہوتا رہا۔ اور عشاء کی نماز سے قبل پروگرام بحسن و خوبی تمام ہوا۔ کاش ہمارے ہند میں بھی اسی طرح پروگراموں کا سلسلہ شروع کیا جائے تو نہایت مفید اثرات مرتب ہوں۔ مختصر سے وقت میں لوگوں کو یہی محسوس ہوگا کہ جیسے مغرب کی نماز ادا کرنے مسجد گئے تھے اور عشاء کی نماز ادا

کر کے لوٹے۔ ہمارے یہاں پروگراموں کی ابتدا صحیح معنوں میں رات بارہ بجے ہوتی ہے۔ اس لیے ان پروگراموں میں اسی طرح کی عوام شرکت کرتی ہے جو رات میں کہیں بھی بیٹھ کر وقت گزاری کرنا چاہتی ہے۔ ایسے پروگراموں کے سامعین کی نمازِ فجر بھی گول ہو جاتی ہے۔ کیا اس کی اصلاح کبھی ہوگی؟

پروگرام کے خاتمے کے بعد علامہ کوکب صاحب بڑے تپاک سے ملے، حال احوال دریافت کیا۔ بعد نمازِ عشاء لنگر کا بھی انتظام تھا۔ ہمیں علامہ صاحب اپنے ہمراہ علماء کے لیے مخصوص انتظام میں لے گئے جہاں کھانا تناول کیا گیا۔ احقر کو اہم لوگوں سے ملوایا، تعارف کرایا۔ حضرت شوکت میاں سے ملوایا تو انہوں نے کہا کہ آپ گھر پر ملنے تشریف لائیں۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب نے انجمن اشاعت اسلام کے عہدیداران سے ملوایا۔ اسی اثناء میں علامہ سے نوجوان بھی مل رہے تھے اور ان سے مختلف مسائل دریافت کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ کی شخصیت ہر دل عزیز ہے اور خصوصاً نوجوان طبقہ اُن سے دینی رہنمائی کے سلسلے میں رجوع کرتا رہتا ہے۔ آج جیسا کہ ضرورت ہے نوجوانوں کی رہنمائی کی' ہمارے اکثر اکابر اس سلسلے میں پہلوتہی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمیں اکثر نوجوان دوست یہ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے کسی مسئلے کے لیے فلاں عالم کے پاس گئے تھے مگر انہوں نے ٹھیک سے بات بھی نہ کی یا اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔ بہت دفعہ تو یہ بھی ہوا کہ وہ نوجوان اپنے یہاں مسئلے کا حل نہ ملنے پر غیروں کے ہاں گئے اور ان سے متاثر ہو کر وہیں کے ہو رہے۔ آج نوجوان نسل دین سے دور ہے تو ہمارے بڑوں کے رویّوں اور ظاہری کردار کی بنا پر ورنہ انہی دو چیزوں کی بنیاد پر ہم نے دنیا بھر میں اسلام پھیلایا تھا۔ ہم حق پر ہیں مگر ہمارا عمل حق نہیں۔ اس لیے لوگ ہم سے بدظن ہیں۔

وہاں سے فارغ ہو کر ہم باہر نکلے۔ علامہ کوکب نورانی صاحب نے اپنی کار نکالی۔ اور ہمیں اُس میں ساتھ بٹھا لیا کہ قیام گاہ کے قریب چھوڑ دوں گا۔ راستے میں حضرت نے مجھ سے بہت بے تکلفی سے بات چیت کی۔ حالانکہ میری حیثیت کچھ بھی نہیں حضرت کے سامنے۔ اس کا مطلب یہ کہ حضرتِ کوکب صاحب دینی کام کرنے والوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جب تک کراچی میں ہیں آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے، کسی سے ملنا ہو، کہیں جانا ہو یا پیسوں کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک مجھ سے کہہ دیا کریں۔ حضرت نے اپنے کہنے کے مطابق عمل بھی کیا۔ مَیں نے وہاں رابطہ کے لیے موبائل فون یہاں سے لے گیا تھا اور وہاں کا پری پیڈ کارڈ اپنے موبائل میں ڈال لیا تھا۔ مولانا کوکب صاحب روزانہ میرے موبائل پر فون کر کے فرماتے کہ آپ کو کچھ ضرورت ہے، کہیں جانا ہے، کسی سے ملنا ہے تو حکم کریں۔ اور مَیں شرمندہ ہو جایا کرتا تھا۔ اتنا خیال تو کوئی عام آدمی بھی نہیں کرے گا۔ جبکہ مولانا کی مصروفیات اس قدر تھیں کہ انہیں ذرا بھی فرصت میسّر نہیں آتی تھی۔ (باقی آئندہ...... ان شاء اللہ)

تبصرۂ کتاب

نام کتاب : تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدر شریعت

ضخامت : اسی ۸۰ صفحات

مصنف : حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری ایم اے

ناشر : تحریک فکر رضا، ممبئی سن اشاعت: دسمبر ۲۰۰۳ء

مبصر : مولانا شکیل احمد قریشی اعظمی برکاتی۔ ممبئی

حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری کی پہلی کتاب ''سیرت صدر الشریعہ'' نظر سے گزری جو اپنے موضوع اور حضور صدر الشریعہ، مصنف بہار شریعت قدس سرہٗ کی حیات و خدمات پر مشتمل تحقیقی، علمی، مستند اور جامع تصنیف ہے۔ اور جماعتِ اہل سنت میں لائق ستائش ہے۔

اسی سلسلے کی دوسری کڑی ''تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبان صدر شریعت'' ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ پہلی تحقیق کے بعد دوسری تحقیق ہے۔ میری نظر سے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت (ملک العلماء قدس سرہٗ)، سوانح اعلیٰ حضرت (علامہ بدرِ ملت) کے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے احوال و کوائف پر مختصراً اتنی مدلل و مفصل، ترتیب وتخریج کے اعتبار سے کتاب نہیں گزری، جو اپنی مثال آپ اور قابل مطالعہ ہے۔ مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت اور ذاتِ بابرکات سے کون ایسا ذی شعور، ذی فہم، اہلِ علم و ادب متعارف نہیں، وہ ہر دور میں خراجِ تحسین پیش کیے جانے کے مترادف ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ہر ذی علم طبقہ بخوبی واقف ہے، اعلیٰ حضرت کو صدر الشریعہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور صدر الشریعہ سے اعلیٰ حضرت کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ گویا یہ دونوں شخصیات لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں جہاں اعلیٰ حضرت کا ذکرِ جمیل ہوگا وہاں وہاں صدر الشریعہ کا ذکر خیر کیے بغیر دل کو قرار نہیں آئے گا۔ یہ وقت کا کتنا حسین گلدستہ ہے کہ حضور صدر الشریعہ نے امام احمد رضا کے شب و روز بارگاہِ رضا میں رہ کر تا وفات غرضیکہ غسل و کفن و نمازِ جنازہ و تدفین کو اپنے سر کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ اور اپنے قلم سے تاریخ میں محفوظ فرمادیا۔ صدر الشریعہ چالیس سال تک درس و تدریس، افتاء و قضا، تحریر و تصنیف، دعوت و تبلیغ سے وابستہ رہے۔ آپ زندگی بھر علم و عمل، زہد و ورع، شریعت و سنت، مسلک امام اعظم و عشقِ رسول ﷺ کی دعوت فکر قوم و ملت کو دیتے رہے۔ اللہ ان دونوں کی قبر انور پر رحمت و برکات کے پھول برسائے۔ آمین

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ہند میں اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے، ناشر و مصنف و دیگر معاونین صدہا مبارکباد کے قابل ہیں۔ موصوف کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شخصیات سے زیادہ محبت ہے بالخصوص اعلیٰ حضرت و صدر الشریعہ سے۔

بقول علامہ ابو داؤد محمد رضوی: "ماشاء اللہ، نقش ثانی بہتر از نقش اوّل، کا مصداق ہے۔" "حافظ صاحب موصوف کی یہ سعادت و خوش نصیبی ہے کہ جنہیں حضور اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعت رحمۃ اللہ علیہما جیسی اکابر شخصیات کی عقیدت و محبت اور ان کے افکار و تحقیقاتِ مبارکہ کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق میسر ہوئی۔" (ص ۹)۔ علامہ الٰہی بخش ضیائی لکھتے ہیں، "بفضلہ تعالیٰ اب گذشتہ چند سالوں سے ایسی علمی و تحقیقی شخصیات ابھر رہی ہیں، جو ان تمام مصنوعی پردوں کو چاک کر کے آپ (امام احمد رضا) کی زندگی کے مختلف گوشوں کو سامنے لا رہی ہیں۔ جن سے مخالفین اپنے مذموم مشن میں ناکام ہو رہے ہیں۔" (ص ۱۰) علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے تاثرات: اللہ تعالیٰ نے انہیں مطالعہ، تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے جو ملت اسلامیہ کے ہر نوجوان میں ہونا چاہیے۔" مصنفِ کتاب لکھتے ہیں: "یہ خیال بارہا ذہن میں آیا کہ حضرت صدر الشریعہ نے طویل عرصہ اپنے شیخ طریقت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی خدمت میں گزارا لہٰذا کہیں نہ کہیں ضرور اپنے شیخ طریقت کا ذکر فرمایا ہوگا۔ ڈھونڈنے پر چند واقعات مل گئے جو حضرت صدر الشریعہ نے بہار شریعت اور فتاویٰ امجدیہ وغیرہ میں بیان کیے تھے۔ انہیں ترتیب دے کر "تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبان صدر شریعت" کے عنوان سے شائع کر دیا" (ص ۱۲)

اس کتاب سے چند اقتباس:

"لوگ اکثر بولا کرتے ہیں فلاں چیز کافی ہے جیسے چائے میں شکر ہے؟ جی ہاں کافی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت کی بزم میں کسی نے ایسے الفاظ استعمال کیے تو تنبیہ فرماتے اس لیے کہ لفظ "کافی" اسمائے الٰہی میں سے ہے اس لیے ایسے مواقع پر اس کا استعمال مناسب نہیں۔" (ص ۳۳)

"اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ کا یہ عمل تھا کہ پہلے جب قوت تھی بغیر عصا خطبہ پڑھا کرتے تھے اور آخر عمر شریف میں جب ضعف کا غلبہ ہوا تو عصا پر ٹیک لگاتے اور فقیر نے ایک بار دریافت بھی کیا تھا تو فرمایا "سنت ہونا ثابت نہیں"۔ (ص ۵۰)

"مولانا نور الحسن و مولانا ظہور الحسن یہ دونوں حضرات علمِ معقولات میں اپنے کو منفرد سمجھتے تھے، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپ ہمارا اور صدر الشریعہ کا امتحان لے لیں جو کامیاب ہو اس کو دارالعلوم منظر اسلام کا صدر المدرسین بنا دیں۔ صدر الشریعہ اس وقت دارالعلوم منظر اسلام (بریلی شریف) کے صدر المدرسین تھے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ میں نے سب کا امتحان لے لیا ہے مگر میرے دل کو مولوی امجد علی بھا گئے ہیں۔" (ص ۷۰)

کتاب کے مطالعہ سے اس طرح کے بہت سے گوشے آپ کو ملیں گے جن سے ہمارا ذہن و فکر ابھی تک خالی الذہن تھا۔ پوری کتاب میں عمدہ تصحیح، طباعت عمدہ، کاغذ پرنٹنگ و کتابت کا خاص خیال رکھا گیا ہے، یقیناً یہ کتاب مدارس و مکاتب، لائبریری و کتب خانوں، اہلِ علم وادب کے نظر نواز ہونے کے قابل ہے۔ O

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

RAZA GRAPHICS Tel: 5600260